حقیقت نقوی

حقیقتِ تقویٰ

امین احسن اصلاحی

فاران فاؤنڈیشن

لاہور — پاکستان

سلسلۂ مطبوعات نمبر ۶

جملہ حقوق محفوظ

جدید ایڈیشن

ناشر : ——— ماجد خاور

مطبع : ——— مکتبہ جدید پریس — لاہور

طابع : ——— رشید احمد چودھری

اشاعت : ——— فاران فاؤنڈیشن کے زیر اہتمام طبع اول — ایک ہزار

تاریخ اشاعت : ——— اپریل ۱۹۸۸ء — شعبان ۱۴۰۸ھ

ادارہ : ——— فاران فاؤنڈیشن

۱۲۲ — فیروز پور روڈ — اچھرہ

لاہور — ۵۴۶۰۶ — پاکستان

فون : ۰۴۲-۲۷۳۴۷۷

قیمت : ۱۸/= روپے

یہ کتاب قبل ازیں "حقیقتِ دین" کے تحت شائع ہوتی رہی ہے

فہرس

	عرضِ ناشر	۷
	دیباچہ	۱۰
باب ۱	تقویٰ کی حقیقت قرآن کی روشنی میں	۱۱
	تقویٰ کے متعلق غلط تصورات	۱۱
	تقویٰ کا لغوی مفہوم	۱۵
	تقویٰ بحیثیت ایک عالمگیر حقیقت کے	۱۶
	تقویٰ آفاق میں	۱۷
	تقویٰ حیوانات میں	۱۹
	تقویٰ انسان میں	۲۱
	اوپر کی بحثوں کا خلاصہ	۲۳
	شرعی تقویٰ کی حقیقت	۲۳
	تقویٰ کا مفہوم قرآن میں	۲۴
	متقین کی صفات	۳۱
باب ۲	تقویٰ کی حقیقت احادیث کی روشنی میں	۳۶
	احادیث کے متعلق ایک اصولی حقیقت	۳۶
	تقویٰ کی حد	۳۹
	تقویٰ اور زندگی کے مطالبات	۴۴
	مباحات سے انتفاع تقویٰ کے منافی نہیں ہے	۴۶

	تقویٰ اور کثرتِ نوافل	۴۸
	محرمات و مشتبہات سے اجتناب	۵۱
	تقویٰ اور مظاہرِ تقویٰ	۵۴
باب ۳	**تقویٰ کی تعلیم کا طریقہ**	۵۷
	انبیاء علیہم السلام کا خاص کام	۵۸
	انبیاء کا طریقۂ تعلیمِ تقویٰ	۵۹
	۱۔ خدا کے تصور کی تصحیح	۶۰
	۲۔ عقیدۂ آخرت کی تصحیح	۶۲
	۳۔ شریعت کی تجدید	۶۴
	مذکورہ دعاوی پر قرآن سے دلائل	۶۶
	خلاصۂ مباحث	۷۲
	موجودہ حالات کا جائزہ	۷۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ ناشر

'میں اس بات کا آرزو مند تھا کہ میری ناچیز تالیفات، بالخصوص 'تدبر قرآن' کی طباعت و اشاعت کی ذمہ داری کوئی ایسا شخص اٹھائے جو اس فکر کا حامل ہو جو ان کتابوں میں پیش کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ شکر ہے کہ اس نے یہ آرزو پوری کردی۔ عزیزم ماجد خاور صاحب سلمہٗ میرے پرانے رفقا میں سے ہیں۔ وہ نہ صرف میرے فکر سے، بلکہ بحیثیتِ مجموعی پورے مکتبِ فراہی سے بڑی گہری دلچسپی رکھتے ہیں۔ انھوں نے پورے عزم و حوصلے کے ساتھ اب اس فکر کی ترویج و اشاعت کا بیڑا اٹھایا ہے اور وہ اپنے ادارہ: فاران فاؤنڈیشن کو، اس کے قیام کے دن سے ہی، اسی مقصد کے لیے مختص کیے ہوئے ہیں۔ مجھے ان کی صلاحیتوں سے پوری توقع ہے کہ وہ اس خدمت کو بحسن و خوبی انجام دے سکیں گے اور خدا نے چاہا تو آئندہ تھوڑے عرصہ میں، ان کے اور ادارہ 'تدبر قرآن و حدیث' کے تعاون سے وہ قرآنی فکر و فلسفہ بالکل واضح ہو کر لوگوں کے سامنے آجائے گا جو اس عہد کے چیلنج کا اصل جواب ہے۔'

حضرت الاستاذ مولانا امین احسن صاحب اصلاحی مدظلہ العالی نے جس بے پایاں محبت و اعتماد کا اظہار اپنی محولہ بالا تحریر ——— دیباچہ تدبر قرآن ——— میں فرمایا

ہے وہ مجھ عاجز کے لیے سرتا سر اعزاز ہے۔ ان کے اور میرے درمیان اصلاً استاد و شاگرد کا رشتہ ہے جو ۱۹۶۲ء میں قائم ہوا۔ مصنف و ناشر کا رشتہ ان کی نظرِ عنایت سے ۱۹۷۶ء میں استوار ہوا۔ انھوں نے میری تعلیم و تربیت میں آج تک جو کمال رافت فرمائی اور شفقت اٹھائی ہے رسمی اسلوبِ بیان میں اس کا اظہار نا ممکن ہے۔ ان سے نسبت ہی میرا سرمایۂ حیات ہے۔ ان کے دیے ہوئے پروگرام کی تکمیل ہی میری زندگی کا مشن اور ترجیحِ اول ہے۔ انھوں نے جو شرف بخشا اور اپنے جس عظیم اعتماد کا اظہار فرمایا ہے خدائے بزرگ و برتر کے حضور ملتجی ہوں کہ وہ مجھے ان کی امیدوں کا مصداق بنائے اور فکرِ فراہی و اصلاحی کی ترویج و اشاعت کا جو تاج مجھ بے مایہ فقیر کے سر پر سجایا گیا ہے اس کی لاج رکھے۔ وبید اللہ التوفیق:

حضرت الاستاذ کا ذوق آشنا ہوتے ہوئے میرے لیے یہ لازم تھا کہ ان کی نگارشات کو ان کے مطلوب و پسندیدہ معیار کے مطابق پیش کروں۔ چنانچہ میں نے اپنے طور پر ان پر کام شروع کر دیا۔ میں نے بیک وقت شاگرد و ناشر، دونوں حیثیتوں کے تقاضوں کو پورا کرنے کی مقدور بھر کوشش کی ہے۔ الحمد للہ نظرِ ثانی اور از سرِ نو کتابت کا بیشتر کام مکمل ہو چکا ہے۔ یہ پیشکش بھی اسی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کی ایک کوشش ہے۔ اس کتاب کے جدید ایڈیشن میں مندرجہ ذیل امور کا لحاظ رکھا گیا ہے:

۱۔ متن پر نہایت اہتمام سے نظرِ ثانی کی گئی ہے۔

۲۔ قرآن مجید کے تمام حوالے مکمل نقل کیے گئے ہیں اور ان کا ترجمہ تدبرِ قرآن کے مطابق کر دیا گیا ہے۔

۳۔ کتاب میں موجود تمام اقتباسات کو ان کے اصل ماخذوں سے تقابل کر کے درست کر دیا گیا ہے اور حوالے مکمل نقل کر دیے گئے ہیں۔ مزید برآں بعض جگہ اگر صرف ترجمہ دیا گیا تھا تو ان کی اصل عبارتیں بھی دے دی گئی ہیں۔

اس کتاب کے جدید ایڈیشن کی پیشکش کے غیر معمولی اہتمام کی وجہ سے اس کی دستیابی میں کچھ عرصہ تعطل رہا جس کے لیے میں انتہائی معذرت خواہ ہوں۔ امید ہے کہ اس کے امتیازی محاسن کی روشنی میں اس کے قدرداں مجھے معاف فرما دیں گے۔ اب اس کا موجودہ ایڈیشن ان شاء اللہ ہمیشہ دستیاب رہے گا۔

اس پیشکش میں ہر ممکنہ احتیاط کے باوصف، اپنی کوتاہیوں کے لیے پیشگی معذرت خواہ ہوں۔ میری درخواست ہے کہ اس کے قارئین بھی اس کام میں حصہ لیں۔ ان کی جانب سے جاری کوتاہیوں کی نشان دہی اور بہتری کی ہر قابلِ عمل تجویز خندہ پیشانی اور شکریہ کے ساتھ قبول کی جائے گی اور آئندہ اشاعتوں میں ان کا لحاظ رکھا جائے گا۔

اس پیشکش کی صورت میں مجھ بندۂ حقیر و فقیر سے جو خدمت بن پائی یہ سرتاسر اُس کی توفیق اور تائید و نصرت کا کمال ہے۔ و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

لاہور — والسلام

۷ راپریل ۱۹۸۸ء — ماجد خاور

دیباچہ

ادھر ایک عرصہ سے یکے بعد دیگرے ایسی باتیں ہمارے علم میں آتی رہیں جن سے یہ اندازہ کرنے کا موقع ملا کہ تقویٰ کا لفظ اپنے جن متعلقات و لوازم کے ساتھ آج بولا جاتا ہے یہ متعلقات و لوازم اگرچہ اس کے اصلی اور ابتدائی نہیں ہیں، لیکن اب عام ذہنوں پر ان کا ایسا غلبہ ہے کہ ان سے مجرد کر کے اس لفظ کو اس کے اصلی مفہوم میں استعمال کرنا کوئی آسان کام نہیں رہا ہے۔ بظاہر تو یہ صرف ایک لفظ سے متعلق غلط فہمی کا معاملہ ہے جو چنداں قابلِ اہتمام نظر نہیں آتا، لیکن حقیقت کے اعتبار سے یہ مسئلہ نہایت اہم ہے۔ تقویٰ تمام شریعت کی غایت، تمام وحی و تنزیل کا مقصود اور حضرات انبیاء کرام کی ساری دعوت و تلقین کا محور و مرکز رہا ہے، اس وجہ سے اس کے متعلق کوئی معمولی غلط فہمی بھی بہت سی غلط فہمیوں کا دروازہ کھول سکتی ہے۔ اس کے متعلق ہمارے تصور کے غلط ہونے کا نتیجہ یہ ہو سکتا ہے کہ سارے دین کے متعلق ہمارا زاویۂ نگاہ اور ہمارے سارے اعمالِ دینی کا نشانہ ہی غلط ہو جائے، اس وجہ سے سخت ضرورت ہے کہ کتاب و سنت میں یہ لفظ جس مفہوم کے لیے استعمال ہوا ہے اس کو واضح کیا جائے اور جو لوازم اس کے ساتھ مختلف جماعتوں نے، اپنے ماحول کی روایات سے اخذ کر کے، چپکا دیے ہیں ان کو دور کیا جائے۔ اس کوشش کا ایک فائدہ تو یہ ہو گا کہ جو چیز تمام دین داری کے اندر بمنزلہ روح ہے، وہ واضح ہو کر سامنے آ جائے گی اور ہر طالبِ حق اس کے لیے بغیر کسی اشتباہ اور تردد کے جدّ و جہد کر سکے گا۔ دوسرا فائدہ یہ ہو گا کہ تقویٰ کی ناپ تول کے جو پیمانے آج رائج ہو گئے ہیں اور جن کے اختلاف کی وجہ سے خود تقویٰ کی ہیئتیں اور صورتیں مختلف ہو گئی ہیں، کالعدم ہو جائیں گے اور کتاب و سنت کا وہ صحیح پیمانہ ہمارے سامنے آ جائے گا جو ہر چیز کے ناپنے اور تولنے کا اصلی پیمانہ ہے۔

والسلام

امین احسن اصلاحی

پٹھان کوٹ

یکم مارچ ۱۹۴۷ء

باب ۱

تقویٰ کی حقیقت قرآن کی روشنی میں

تقویٰ کے متعلق غلط تصورات :

آج جن مواقع پر تقویٰ کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے یا جن لوگوں کو متقی سمجھا جاتا ہے اگر تجزیہ کر کے ان کا قدرِ مشترک نکالا جائے تو تقویٰ کے متعلق چند چیزیں لازماً سامنے آئیں گی۔ مثلاً یہ کہ تقویٰ ایک ایسا درجہ ہے جس کے لیے اتباعِ شریعت اور حفاظتِ حدودِ الٰہی کی عام جدوجہد کے سوا کچھ اور بھی مطلوب ہے اور یہ "کچھ اور" اس قدر اہمیت رکھتا ہے کہ اس کے آگے خود شریعت کے فرائض و حدود اور اس کے قیام و حفاظت کی ذمہ داریاں بہت ہلکی ہو گئی ہیں۔ آپ کو بہت سے ایسے لوگ ملیں گے جن کی ساری ذہنی و عملی توتیں ایسے کاموں پر صرف ہو رہی ہیں جو نہ صرف یہ کہ اللہ اور اس کے رسول کی شریعت کی نظر میں کوئی قیمت نہیں رکھتے، بلکہ ان کاموں کی کامیابی اور ترقی اللہ اور اس کے رسول کے دین کی پستی اور بربادی کے ہم معنی ہے، لیکن اس کے باوجود ان کے تقویٰ میں کوئی فتور واقع نہیں ہوتا اور وہ اپنے اس "کچھ اور" کی بدولت بدستور نہ صرف متقی بنے ہوئے ہیں، بلکہ برابر تقویٰ کے مدارج و مقامات میں ترقی کرتے چلے جا رہے ہیں۔

اسی طرح تقویٰ کے لوازم میں سے یہ بات بھی سمجھی جاتی ہے کہ اس کا حصول کسی صاحبِ نسبت بزرگ سے بیعت و ارادت کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اور یہ چیز اس قدر ضروری خیال

کی جاتی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی خانقاہ کی سند حاصل کیے بغیر لوگوں کو اللہ اور اس کے رسول کی بتائی ہوئی باتیں سکھانا اور بتانا شروع کردے تو لوگوں کی نظر میں یہ بات اسی طرح کھٹکنے لگتی ہے جس طرح کوئی شخص میڈیکل کالج کی سند حاصل کیے بغیر کسی شہر میں مریضوں کا علاج شروع کردے۔ بلکہ ایک طبیب اتائی، اگر اس کے علاج سے لوگوں کو فائدہ پہنچ رہا ہو، آہستہ آہستہ گوارا کر لیا جاتا ہے، لیکن اصلاحِ نفوس اور تزکیۂ اخلاق اربابِ خانقاہ کا ایسا اجارہ ہے کہ بغیر ان کی سند کے کوئی شخص اس کام کا اہل ہو ہی نہیں سکتا، اگرچہ اس کی تعلیم و دعوت سے دلوں میں کتنا ہی بڑا انقلاب برپا ہو جائے۔

اسی طرح یہ بات بھی تقویٰ کے لوازم میں سے سمجھی جاتی ہے کہ آدمی نہ صرف محرمات و مشتبہات کا تارک ہو، بلکہ بہت سے مباحات کا بھی تارک ہو۔ اور ستم ظریفی یہ ہے کہ منہیات میں اصل اہتمام صرف ان چیزوں کا کیا جاتا ہے جن کی حیثیت اصل دین میں محض ضمنی ہے۔ لیکن ان پر اس شدومد سے وعظ کیے جاتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے اصل دین یہی چیزیں ہیں اور بہت سی ایسی باتیں جو صریحاً خدا اور اس کے رسول سے بغاوت کے حکم میں داخل ہیں، نہ صرف یہ کہ ان پر ان بزرگوں کی طبائع میں کوئی خلش تک پیدا نہیں ہوتی، بلکہ ان چیزوں کو اسلام کی ترقی کے اجزاء میں سے گنا جاتا ہے اور بسا اوقات ان کے حصول کے لیے ہماری خانقاہوں میں دعائیں کی جاتی ہیں۔ مثلاً ہم نے دیکھا ہے کہ جن لوگوں کو ازار کے ٹخنوں سے نیچے ہونے اور داڑھی اور لب کے مسائل میں بڑا انہماک ہے وہ باطل طاقتوں کے تقرب کی طلب اور اس کے لیے دعائیں اور سفارشیں کرنے میں ذرہ برابر بھی قباحت نہیں محسوس کرتے، لیکن یہ محض اس جرم پر ایک شخص کو تقویٰ کے معیار سے گرادیتے ہیں کہ مباحات سے فائدہ اٹھانے میں ان کی طرح زاہد خشک یا بے قرینہ نہیں ہے، اگرچہ وہ نہ صرف محرمات ہی کا تارک ہو، بلکہ مشتبہات میں بھی احتیاط کرتا ہو اور کوئی بات اس کی زندگی میں ایسی نہ ہو جس کو خدا اور اس کے رسول کی شریعت سے انحراف یا بغاوت قرار دیا جاسکے

علیٰ ہذا القیاس تقویٰ کے شرائط میں سے یہ بات بھی سمجھی جاتی ہے کہ یہ تجرّد اور ترکِ دنیا سے مناسبت رکھتا ہے اور خلوت کے گوشوں اور تنہائی کے حجروں ہی میں پرورش پا سکتا ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ آدمی زندگی کی تمام عملی سرگرمیوں سے الگ تھلگ اور خلائق سے منقطع ہو کر یادِ الٰہی میں مشغول رہے۔ یہاں تک کہ اگر ایک شخص کی زندگی دین کی حجت واضح کرنے اور اس کی اقامت کے لیے کشمکش میں بسر ہو رہی ہو تو ہمارے تقویٰ کی موجودہ سائنس کے ماہرین کے نزدیک اس کا یہ مشغلہ بھی حصولِ تقویٰ کی جدوجہد میں مخل ہے اور اس سے کچھ فائدہ حاصل ہونا تو الگ رہا بہت زیادہ اندیشہ اس بات کا ہے کہ اس کشمکش میں اس کی رہی سہی خوبیاں بھی برباد ہو جائیں۔ ان حضرات کے نزدیک اعلیٰ طریقہ تو یہ ہے کہ آدمی پوری زندگی ریاضت و مراقبہ میں گزار دے، ورنہ کم از کم ایک طویل مدت تو اس شغلِ تنہائی میں بسر کیے بغیر آدمی کے لیے عملی میدان میں اترنا بہر صورت خطرے سے خالی نہیں ہے۔ یہ حضرات اس بات کے قائل نہیں ہیں کہ بچے کی ترقی کے لیے اس کی فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ماں کی گود سے اترے، زمین میں رینگے، کھڑے ہونے کی کوشش کرے، گرتا ہو، لڑکھڑاتے گرتے پھر دوڑنے لگے۔ وہ اس کے برعکس اس بات کے قائل ہیں کہ بچہ ولادت سے لے کر سنِ رُشد تک ماں باپ کے کندھوں پر لدا لدا پھرے اور جب چالیس برس کی اس پختہ استعدادِ مادی و عقلی کو پہنچ جائے جس کو قرآن حکیم نے "حَتّٰٓی اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً" (الاحقاف - ۴۶ : ۱۵) (یہاں تک کہ جب وہ پہنچ جاتا ہے اپنی پختگی کو اور پہنچ جاتا ہے چالیس سال کی عمر کو) سے تعبیر کیا ہے تو اس کو دفعۃً کارزارِ حیات میں جھونک دیا جائے کہ اب تو جا اس کے نشیب و فراز اور سرد و گرم سے خود عہدہ برا ہو کیونکہ پورے چالیس سال مادرِ شفقت کی محفوظ آغوش میں اس کارزار میں اترنے کے لیے تربیت حاصل کر چکا ہے۔

اسی طرح اہلِ تقویٰ کی ایک خاص پہچان یہ بھی بتائی جاتی ہے کہ وہ نہ صرف صاحبِ تاثیر بلکہ صاحبِ تسخیر ہوتے ہیں۔ ان کی ایک نگاہ دلوں کو بدل دینے کے لیے کافی ہوتی ہے۔ ان

کے ایک ادنیٰ اشارے سے وہ کام بن جاتے ہیں جو دوسروں کی برسوں کی جانکاہیوں سے بھی نہیں بنتے۔ شقی سے شقی انسان ان کی صحبت میں آتے ہی مومنِ کامل ہو جاتا ہے۔ وہ جدھر سے گزر جاتے ہیں ادھر کی دنیا نورِ ایمان سے جگمگا اٹھتی ہے۔ وہ نہ زبان سے بولتے، نہ قلم سے لکھتے اور نہ اس طرح کی کوئی اور ہی بات کرتے۔ محض ان کے فیضِ باطن کا یہ اثر ہوتا ہے کہ ان کے سایہ کے پرتو سے کفر و باطل بھاگتا ہے۔ اس طرح کے خیالات جن لوگوں کے دماغوں پر چھائے ہوئے ہیں بھلا ان کی نظر میں وہ لوگ کیا جگہ پا سکتے ہیں جو باطنی تصرفات کے بجائے اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے عام قانون کے مطابق کام کرتے ہیں اور اس کی راہ میں انہی ہتھیاروں سے لڑتے ہیں جو اس نے کوشش اور جد و جہد کے لیے عنایت فرمائے ہیں۔ بلکہ شاید حضرات انبیائے کرام اور صحابۂ عظام کی بھی ان کی نظروں میں کوئی وقعت نہیں ہوتی، کیونکہ ان حضرات کو بھی یہ درجہ نصیب نہ ہو سکا کہ ایک نگاہ سے دلوں کی کایا پلٹ دیتے۔ ان کا بھی یہ حال تھا کہ برسوں کی محنتوں، دعوتوں، مزاحمتوں، مخالفتوں، ناکامیوں اور مایوسیوں کے بعد جب نوبت یہاں تک پہنچی کہ رسول اور اس کے ساتھی پکار اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی تب اللہ تعالیٰ نے ان کی صدا میں تاثیر اور ان کی دعوت میں قوت عطا فرمائی:

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوا حَتَّىٰ يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَىٰ نَصْرُ اللَّهِ ۗ أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ ۝

کیا تم نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی تمہیں ان حالات سے سابقہ پیش نہیں آیا جن سے تمہارے اگلوں کو پیش آیا۔ ان کو آفتیں اور مصیبتیں پہنچیں اور وہ اس قدر جھنجھوڑے گئے کہ رسول اور ان کے ساتھ ایمان لانے والے پکار اٹھتے ہیں کہ اللہ کی مدد کب نمودار ہوگی! بشارت ہو کہ اللہ

(البقرۃ - ۲ : ۲۱۴) کی مدد قریب ہے:

جو لوگ آج تقویٰ کا لفظ بولتے ہیں ان کے ذہنوں میں یہ سارے مفاہیم یا ان کا بڑا حصہ مضمر ہوتا ہے۔ تقویٰ کے یہ متعلقات نہ تو کل کے کل غلط ہی ہیں نہ ان سب کو درست ہی قرار دیا جا سکتا ہے، بلکہ اس میں صحیح اور غلط، دونوں ملے جلے ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کی روشنی میں اس لفظ کی حقیقت سمجھنے کی کوشش کی جائے اور اپنے ذاتی رجحانات کی جنبہ داری کے بغیر معلوم کیا جائے کہ تقویٰ کی حقیقت اور اس کے شرائط و خصوصیات کیا ہیں۔

تقویٰ کا لغوی مفہوم:

عربی زبان میں "وقی یقی" کے معنی ہیں کسی شے کی ضرر سے اپنے تئیں بچانا۔ اسی سے اِتقاء ہے جو قرآن مجید میں کئی معنوں کے لیے استعمال ہوا ہے:

۱۔ جس چیز سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو اس سے محفوظ رہنا۔ مثلاً "اِلَّآ اَنۡ تَتَّقُوۡا مِنۡهُمۡ تُقٰىةً" (آل عمران - ۳ : ۲۸) (مگر یہ کہ تم ان سے بچو جیسا بچنے کا حق ہے)۔

۲۔ کسی آفت سے ڈرنا۔ مثلاً "وَاتَّقُوۡا فِتۡنَةً لَّا تُصِيۡبَنَّ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا مِنۡكُمۡ خَآصَّةً" (الانفال - ۸ : ۲۵) (اور ڈرتے رہو اس فتنہ سے جو مخصوص طور پر انہی لوگوں کو نہیں لاحق ہوگا جنہوں نے جرم کا ارتکاب کیا ہوگا)۔

۳۔ خدائے پاک و منعم کے حضور اظہارِ خشیت، جو اپنے شکرگزار بندوں پر رحم فرماتا ہے، کفر و ناسپاسی کو ناپسند کرتا ہے اور تمام ڈھکے چھپے سے واقف ہے۔ مثلاً "اِنۡ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجۡعَلۡ لَّكُمۡ فُرۡقَانًا وَّيُكَفِّرۡ عَنۡكُمۡ سَيِّاٰتِكُمۡ" (الانفال - ۸ : ۲۹) (اگر تم اللہ سے ڈرتے رہے تو وہ تمہارے لیے فرقان نمایاں کر دے گا اور تم سے تمہارے گناہ جھاڑ دے گا)۔

۴۔ چوتھا مفہوم ان تینوں مفہوموں کا جامع ہے۔ یعنی اس کے حدود کو توڑنے، اس کی

امانتوں میں خیانت کرنے اور اس کے عہد کی بے حرمتی کرنے سے، اس کے برے نتائج اور خدا کے غضب کے اندیشہ کی بنا پر بچنا. قرآن میں جہاں کہیں مفعول کے بغیر یہ لفظ آتا ہے بالعموم یہی جامع معنی مراد ہوتے ہیں اور اسی کی دوسری تعبیر تقویٰ ہے. اس مضمون پر آگے چل کر ہم مفصل بحث کریں گے، یہاں صرف اس قدر یاد رکھنے کی ضرورت ہے کہ اس معنی کے لحاظ سے متقی وہ شخص ہے جس کے دل میں خدا کی تعظیم اور اس کے غضب کا اندیشہ ہو اور وہ خدا کے قائم کیے ہوئے حدود کو توڑنے، اس کے عہد و میثاق کی خلاف ورزی کرنے اور اس کی امانتوں میں خیانت کرنے سے ڈرتا ہو۔

تقویٰ بحیثیت ایک عالمگیر حقیقت کے :

اس کائنات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنی چیزیں بنائی ہیں ان میں دو طرح کی قوتیں ودیعت فرمائی ہیں : ایک اپنی مخفی قابلیتوں کو بروئے کار لانے کی قوت، دوسری اپنی حفاظت کی قوت. پہلی قوت کا تقاضا اقدام اور عمل ہے اور اس کا نتیجہ ہر شے کا اپنی اس غایت تک پہنچنا ہے جس کے لیے وہ خلق ہوئی ہے. دوسری قوت کا تقاضا احجام و احتراز ہے اور اس کا ثمرہ ہر شے کا ان خطرات سے محفوظ رہنا ہے جو اس کو اس کی غایت تک پہنچنے سے پہلے برباد کر سکتے ہیں. پہلی قوت ہر شے کی مخفی صلاحیتوں کو ابھارتی اور اس کو پروان چڑھاتی ہے. دوسری قوت خطرات و آفات سے اس کی حفاظت کرتی ہے. اس کو مثال سے یوں سمجھ سکتے ہیں کہ ایک اچھا موٹر ہو اور اس کے اندر نہایت سچا بریک لگا ہوا ہو. موٹر میں کچھ پرزے تو ہوتے ہیں جن کے باہمی تفاعل سے وہ قوت پیدا ہوتی ہے جو گاڑی کو ہوا کی رفتار سے چلاتی ہے اور یہ قوت ہی گاڑی کا اصل جوہر ہے، لیکن اگر تنہا یہی قوت کار فرما ہو تو نہیں معلوم گاڑی کس کھڈ میں گر کر اور کس درخت سے ٹکرا کر چکنا چور ہو جائے. اس وجہ سے اس میں ایک بریک لگایا جاتا ہے جو اس کی قوت کو اپنے ضبط و نظم میں رکھتا ہے اور گاڑی کو اپنی حفاظت میں لے کر اس کی منزل مقصود تک پہنچاتا ہے. یہ بریک اس کائنات کی ہر قوت اور

ہر حرکت کے ساتھ لگا ہوا ہے اور اسی سے اس دنیا کی زندگی اور حفاظت ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو یہ دنیا اور اس دنیا کی ساری چیزیں آن کی آن میں پاش پاش ہو کر فنا ہو جائیں۔

اس قوت و صلاحیت کو اس کائنات کے مختلف گوشوں میں ہم مختلف ناموں سے تعبیر کرتے ہیں۔ کہیں یہ حفاظتِ ذات کے نام سے موسوم ہے، کہیں تقویٰ کے نام سے۔ لیکن یہ محض تعبیر کا اختلاف ہے، نفسِ حقیقت کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ایک ہی حقیقت ہے جس میں تھوڑے تھوڑے سے فرق کے ساتھ اس کائنات کی ہر چیز میں، اس زمین کے ہر جاندار میں، اس دنیا کے ہر انسان میں پایا جاتا ہے اور ہر جگہ اس کے افعال و اثرات تقریباً ایک ہی سے ہیں۔ اس وجہ سے تقویٰ کی اصل اہمیت، اس کا اصل موقع و محل اور اس کے واقعی افعال و اثرات کی وضاحت کے لیے بہتر ہوگا کہ اس کائنات کے مختلف گوشوں میں اس کی مختلف صورتوں کا مشاہدہ کر لیا جائے۔ یعنی یہ دیکھ لیا جائے کہ آفاق میں جو تقویٰ پایا جاتا ہے اس کی شکل و صورت کیا ہے، حیوانات کے اندر اس کی نوعیت کیا ہے، انسانوں کی فطرت میں اس کی حقیقت کیا ہے؛ اس طرح جب ہم آفاقی، جبلی اور فطری تقویٰ کی مختلف صورتوں اور ان کے افعال و اثرات سے اچھی طرح آشنا ہو جائیں گے تو ہم کو یہ سمجھنے میں کچھ دقت نہیں ہوگی کہ شریعت ہم سے جس تقویٰ کا مطالبہ کرتی ہے اس کی شکل و صورت اور اس کے افعال و اثرات کیا ہونے چاہئیں اور پھر جو کچھ ہونا چاہیے اگر اس کی تصدیق اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسول کی زندگی اور اس کے ساتھیوں کے حالات سے بھی ہو جائے تو یقین کر لینا چاہیے کہ یہی حق ہے اور اس کے سوا اس کے جو لوازم و تقاضات بیان کیے جاتے ہیں ان کی اصل نہ تو عقل و فطرت کے اندر ہے، نہ اللہ کی کتاب میں ہے اور نہ رسول کی سنت میں۔ اب ہم بالترتیب تقویٰ کی ان مختلف قسموں کی وضاحت کرتے ہیں:

تقویٰ آفاق میں:

سب سے پہلے اس تقویٰ کا مشاہدہ کائنات کے ان گوشوں میں ہوتا ہے جہاں ہم

کسی ارادہ اور زندگی کا شعور نہیں پاتے، بلکہ قدرت کا ایک بندھا ٹکا نظام ہے جس کے ماتحت ہر چیز اپنی پوری قوت کے ساتھ اپنا فعل کر رہی ہے۔ یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ جہاں تک کسی شے کے طبعی وظیفہ کا تعلق ہے اس کی تکمیل کی راہ میں کوئی مزاحمت نہیں ہے، بلکہ قدرت اس کو اس بات کی پوری اجازت دیتی ہے کہ جہاں تک وہ بڑھ سکتی ہے وہاں تک بڑھے اور جس منزل تک پہنچ سکتی ہے وہاں تک پہنچے، لیکن ساتھ ہی ایک مخفی ہاتھ اس کی باگیں تھامے ہوئے پوری ہوشیاری کے ساتھ اس امر کی نگرانی بھی کر رہا ہے کہ یہ اپنی راہ سے بے راہ نہ ہونے پائے اور دوسروں کے حدود میں دراندازی کر کے نہ اپنا کام خراب کرے نہ دوسروں کے کام میں خلل ڈالے۔ یہ آفاق کا تقویٰ ہے اور اسی کی طرف قرآن مجید کی ان آیات میں اشارہ ہے :

وَالشَّمْسُ تَجْرِىْ لِمُسْتَقَرٍّ
لَّهَا ۚ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ
الْعَلِيْمِ ۝ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ
مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ
الْقَدِيْمِ ۝ لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِىْ
لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا
الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۚ وَكُلٌّ
فِىْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ۝

اور سورج اپنے ایک معین مدار پر گردش کرتا ہے۔ یہ خدائے عزیز و علیم کی منصوبہ بندی ہے اور چاند کے لیے ہم نے منزلیں ٹھہرا دی ہیں یہاں تک کہ وہ کھجور کی پرانی ٹہنی کے مانند ہو کے رہ جاتا ہے۔ نہ سورج کی مجال ہے کہ وہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن پر سبقت کر سکتی۔ ہر ایک اپنے خاص دائرے میں گردش کرتا ہے۔

(یٰسٓ - ۳۶ : ۳۸ - ۴۰)

یہی طبعی تقویٰ ہے جو کھاری اور میٹھے سمندروں کو اپنے اپنے حدود کی پاسداری پر مجبور کرتا ہے اور ان کو ایک دوسرے کے حدود میں مداخلت سے روک کر ان کے ان فوائد کی حفاظت کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر ودیعت فرمائے ہیں :

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ۙ	اس نے چھوڑے دو دریا، دونوں ٹکراتے
بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ۚ	ہیں لیکن ان کے درمیان ایک پردہ حائل
(الرحمٰن - ۵۵ : ۱۹-۲۰)	رہتا ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کرتے۔

کائنات کی یہ تمام اشیاء اللہ تعالیٰ کی قائم کی ہوئی حدوں کی پوری نگرانی کرتی ہیں اور کسی حال میں بھی ان سے تجاوز کی جرأت نہیں کرتیں۔ یہ ان کا وہ تقویٰ ہے جس کا وہ اپنے عملی نمونہ سے انسان کو درس دیتی ہیں کہ وہ اپنے ارادہ و اختیار کی دنیا میں انہی کی طرح خدا کے قائم ہوئے حدود کا پابند رہے اور اس سے تجاوز کر کے اپنے آپ کو برباد نہ کرے۔ سورۂ رحمان کی ان آیات میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے:

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۙ	سورج اور چاند ایک حساب سے گردش
وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ ۙ	کرتے ہیں اور ستارے اور درخت بھی
وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ	سجدہ کرتے ہیں اور اس نے آسمان کو
الْمِيْزَانَ ۙ اَلَّا تَطْغَوْا فِي	اونچا کیا اور اس میں میزان رکھی کہ تم
الْمِيْزَانِ ○	بھی میزان میں تجاوز نہ کرو۔
(الرحمٰن - ۵۵ : ۵-۸)	

تقویٰ حیوانات میں:

بعینہٖ اسی طرح تقویٰ کی نمود ہم اس عالم میں پاتے ہیں جہاں زندگی تو موجود ہے لیکن انسانی اختیار و ارادہ موجود نہیں ہے، یعنی حیوانات کے اندر۔ ان کی زندگی کی حفاظت اور ترقی بھی تقویٰ ہی کی بدولت ہے، اگرچہ اختیار و ارادہ سے محروم ہونے کی وجہ سے ان کا تقویٰ اختیاری تقویٰ نہیں، بلکہ جبلی تقویٰ ہے۔ قدرت نے ہر حیوان کی جبلت کے اندر وہ ساری قابلیتیں ودیعت کر دی ہیں جو ان کی نوعی صفات کے درجۂ کمال تک ترقی کرنے کے لیے

ضروری ہیں۔ یہ ترقی جس طرح کی حرکت اور جدوجہد کی طالب ہے وہ بھی ان کے اندر ودیعت ہے اور جس قسم کے سکون کا مطالبہ ترقی ہے وہ بھی ان کو تعلیم کر دیا گیا ہے۔ علیٰ ہٰذا القیاس جو چیزیں ان کے چرنے چگنے کی ہیں وہ بھی ان کو بتا دی گئی ہیں اور جن چیزوں سے ان کو ڈرنا اور بچنا چاہیے ان کو بھی یہ اچھی طرح جانتے ہیں اور جبلی طور پر ان سے بچتے ہیں اور ان کا یہی جبلی تقویٰ ہے جو ان کا اصلی پاسبان ہے۔ اگر یہ نہ ہوتا تو حیوانات کی کوئی نوع بھی وجود میں آ کر اپنے آپ کو باقی نہ رکھ سکتی۔ ایک مرغی کا ننھا سا بچہ پہلے روز سے جانتا ہے کہ اسے کس طرح اپنی ذات کو نشوونما دینے کے لیے اپنی ماں کے ساتھ ساتھ پھرنا اور اس کے اشاروں پر دوڑ کر زمین سے غذا کے ذرہ کو چگنا چاہیے اور پھر کس طرح کوے، چیل، شکرے یا بلی کی آہٹ پاتے ہی اس کے پروں کے نیچے چھپ جانا چاہیے۔ گدھا ایک نہایت غبی جانور ہے، لیکن اس غباوت کے باوجود وہ بھی اچھی طرح جانتا ہے کہ زمین کی بے شمار نباتات میں سے کون سی گھاسیں ہیں جو اس کے لیے غذائے صالح کا حکم رکھتی ہیں اور کون سی گھاسیں ہیں جو اس کے لیے مضر یا مہلک ہیں۔ اور ایک گدھا گدھا ہونے کے باوجود اپنے جبلی تقویٰ میں ایسا کامل ہوتا ہے کہ بھوکا مر جاتا ہے، لیکن یہ گوارا نہیں کرتا کہ جبلت نے اس کے لیے جو قاعدے ٹھہرا دیے ہیں اور جو حدود قائم کر دیے ہیں ان کو توڑ کر کوئی ایسی چیز کھا لے جو اس کی جبلی شریعت میں حرام ہے۔ منافع کو اختیار کرنے اور نقصانات سے بچنے کی یہی وہ ہدایت ہے جو ہر جاندار کے اندر اللہ تعالیٰ نے ودیعت فرمائی ہے اور جس کی طرف قرآن حکیم کی یہ آیات اشارہ کر رہی ہیں:

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ۙ	اپنے خداوند برتر کے نام کی تسبیح کر جس
الَّذِيْ خَلَقَ فَسَوّٰى ۙ	نے خاکہ بنایا پھر نوک پلک سنوارے۔
وَالَّذِيْ قَدَّرَ فَهَدٰى ۙ	جس نے مقدّر کیا اور ہدایت بخشی۔

(الاعلیٰ - ۸۷ : ۱-۳)

تقویٰ انسان میں :

آفاقی اور جبلی تقویٰ کے یہی مخفی اشارات ہیں جو انسان کے اندر آ کر پوری طرح ابھر ہو جاتے ہیں۔ چیز وہی ہے۔ لیکن انسان کی حیثیت چونکہ مجبور و مسخر اجرام سماوی اور بے اختیار امتیاز حیوانات سے بالکل مختلف ہے، اس وجہ سے اس کے تقویٰ کی نوعیت اور قدر و قیمت بدل جاتی ہے، بلکہ تقویٰ کا نام ہی یہ چیز اس وقت پاتی ہے جب انسان کے اندر پائی جاتی ہے۔ یہ ذی ارادہ اور ذی اختیار مخلوق ہے، اس وجہ سے وہ سورج اور چاند کی طرح اپنے تقویٰ کے ساتھ جکڑے باندھ نہیں دیا گیا ہے کہ جس ڈگر پر ہانک دیا گیا ہے اس سے منحرف ہی نہ ہو سکے، بلکہ اس کی فطرت کے اندر مفید اور مضر کے پہچاننے کا ذوق دے کر اس کو آزاد چھوڑ دیا گیا ہے کہ وہ اپنے ذوق اور اپنی عقل کی رہنمائی سے نافع کو اختیار کرے اور مضر سے احتراز کرے۔ نیز وہ صرف مادی وجود ہی نہیں ہے، بلکہ اپنے اندر اخلاقی ہستی بھی رکھتا ہے، اس وجہ سے اس کے اندر صرف مادی مضرتوں ہی سے بچنے کا ذوق نہیں ودیعت کیا گیا ہے، بلکہ اخلاقی و روحانی مضرتوں سے احتراز کرنے کا ذوق بھی بخشا گیا ہے۔ چنانچہ ایک طرف تو اس کو اس بات کا ذوق دیا گیا کہ خوب صورت کو پیار کرے اور بدصورت سے گریز کرے، خوشبو سے محبت اور بدبو سے نفرت کرے، طیب کو حلال اور خبیث کو حرام سمجھے: دوسری طرف اس کو اس بات کا بھی ذوق بخشا گیا ہے کہ وہ جھوٹ سے نفرت اور سچ سے محبت کرے، ظلم کو برا سمجھے اور عدل کا احترام کرے۔ یہ انسان کا فطری تقویٰ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کی فطرت کے اندر ودیعت فرمایا ہے۔ اور قرآن مجید کی متعدد آیات میں اس کی طرف اشارات ہیں۔ مثلاً :

إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا ٥	ہم نے اس کو راہ سجھا دی، چاہے وہ شکر کرنے والا بنے یا کفر

(الدھر - ۷۶ : ۳) کرنے والا۔

وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۝ اور کیا ہم نے اس کو دونوں راہیں

(البلد - ۹۰ : ۱۰) نہیں سجھادیں!

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ پس اس کو سمجھ دی اس کی بدی اور

تَقْوٰىهَا ۝ نیکی کی۔

(الشمس - ۹۱ : ۸)

یہی تقویٰ ہے جو انسان کی مادی اور روحانی زندگی کا محافظ ہے۔ اگر انسان اپنی مادی زندگی میں مضرتوں سے احتراز نہ کرے، بلکہ گندم کی جگہ کنکریاں پھانکنا شروع کردے تو اس کا لازمی نتیجہ اس کی مادی زندگی کا خاتمہ ہے اور اگر وہ اپنی اخلاقی زندگی میں مہلکات سے نہ بچے، خیر کی جگہ ناشکری کی راہ چل پڑے تو اس کی روحانی زندگی کی ہلاکت یقینی ہے، اگرچہ اس ہلاکت سے اسے اس زندگی کے خاتمہ پر ہی دوچار ہونا پڑے۔

اوپر کی بحثوں کا خلاصہ:

اس تفصیل سے چند باتیں معلوم ہوئیں:

۱۔ پہلی یہ کہ تقویٰ ہی ہر شے کی زندگی اور اس کی ترقی کا محافظ ہے۔

۲۔ دوسری یہ کہ تقویٰ زندگی کی اصل شاہراہ ہے، کوئی الگ چیز نہیں ہے، بلکہ یہ ہر مرحلہ میں زندگی کے ہم رکاب ہے۔ اس کی حیثیت بدرقہ کی ہے، جو انسان کو غلط روی اور خطرات راہ سے بچا کر منزلِ مقصود تک پہنچاتا ہے۔

۳۔ تیسری یہ کہ کسی مرحلہ میں بھی یہ زندگی کی جدوجہد اور اس کے ارتقائے مادی و اخلاقی میں مزاحم نہیں ہے، بلکہ ان مزاحمتوں سے یہ زندگی کی حفاظت کرتا ہے جو اس کی مادی یا روحانی ترقی کو درہم برہم کر سکتی ہیں۔

۴۔ چوتھی یہ کہ اس کی کوئی خاص ہیئت و صورت نہیں ہے، بجز اس کے کہ حقیقت اور فطرت کے اندر جو حدود بڑھنے اور رکنے کے لیے قائم کر دیے گئے ہیں ان کی پوری پاسداری کی جائے۔

شرعی تقویٰ کی حقیقت:

اب آیئے شرعی تقویٰ کی حقیقت پر غور کیجیے۔ ظاہر ہے کہ شریعت فطرت کے خلاف نہیں ہے، بلکہ عین فطرت ہے:

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا	اس دین فطرت کی پیروی کرو جس پر اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا۔

(الروم - ۳۰ : ۳۰)

اس وجہ سے شریعت کی نسبت یہ گمان کرنا تو کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا کہ وہ ہم سے کسی ایسے تقویٰ کا مطالبہ کرے گی جو انسان کی زندگی میں کسی طرح کا تعطل پیدا کرے یا اس کی جائز رغبتوں کی نفی کرے ـــــ خواہ ان کا تعلق ابتدائی ضروریات سے ہو یا کمالیات سے ـــــ یا اس کا حصول زندگی کی شاہراہ سے الگ ہو کر کسی ایسے بعید گوشے اور دور دراز جزیرہ ہی میں ممکن ہو جہاں حرکت کے بجائے صرف سکون اور زندگی کی جگہ صرف موت ہو، یا اس کی شناخت کے لیے وہ کوئی ایسی علامت ٹھہرائے جو رد و قبول، ترک و اختیار اور ہدایت و ضلالت کے اس قانون ہی کو یکسر باطل کر دے جو اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں جاری فرمایا ہے اور جو انسان کی فطرت اور خدا کی حکمت کا عین مقتضیٰ ہے۔ ان باتوں میں سے کوئی بات بھی اگر تسلیم کر لی جائے تو اس سے لازم آتا ہے کہ شریعت اور فطرت میں کامل توافق کی جگہ ایک مستقل نزاع اور جنگ کی حالت قائم ہے، حالانکہ ایسا سمجھنا خود شریعت کی تکذیب ہے۔ شریعت کا اعلان تو یہ ہے کہ اس نے فطرت پر نہ سر مو اضافہ کیا ہے نہ اس میں کوئی کمی کی

ہے ۔ البتہ انسان کی فطرت جو کچھ مطالبہ کرتی ہے اس کو اس نے بالکل واضح اور آشکارا کردیا ہے ۔ فطرت کے اشارات مخفی تھے شریعت نے ان کو بالکل روز روشن کی طرح نمایاں کردیا تاکہ ان کے اخفا کی وجہ سے انسان کے لیے کوئی عذر باقی نہ رہے ۔ فطرت کے مقتضیات کے تعین میں انسان کی بعض کمزوریوں کی وجہ سے اختلاف پیدا ہو سکتا تھا ، شریعت نے ان مقتضیات کو معین کر کے اس اختلاف کا خدشہ دور کردیا ۔ اس سے زیادہ شریعت کسی بات کی مدعی نہیں ہے ۔ اس وجہ سے جبلی اور فطری تقویٰ اور شرعی تقویٰ میں جو کچھ فرق ہو سکتا ہے وہ نفسِ تقویٰ کی حقیقت اور اس کے مقصد میں نہیں ہو سکتا البتہ اس کے محرک میں ہو سکتا ہے ۔ جبلت میں صرف ذات کی حفاظت کا جذبہ مخفی ہوتا ہے ۔ فطرت میں حفاظتِ نفس کے ساتھ مذاقِ سلیم اور انجام بینی کا پہلو بھی نمایاں ہو جاتا ہے ۔ لیکن شریعت میں اگر صاف صاف ایک خدائے منعم و دیان کا خوف اور عدلِ الٰہی کا ڈر ہے جو انسان کو اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ اس کی زندگی کے لیے جو سیدھی راہ متعین کردی گئی ہے اسی پر چلے اور بے راہ روی اور گمراہی سے بچے ۔ پس شرعی تقویٰ کی حقیقت یہ ہونی چاہیے کہ آدمی اپنی زندگی کو خدا کے مقرر کیے ہوئے حدود کے اندر رکھے اور دل کی گہرائیوں میں اس بات سے ڈرتا رہے کہ جہاں اس نے خدا کی قائم کی ہوئی کسی حد کو توڑا اس کو خدا کی سزا سے بچانے والا خدا کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتا ۔

تقویٰ کا مفہوم قرآن میں :

یہاں تک ہم نے یہ بات معلوم کرنے کی کوشش کی ہے کہ شرعی تقویٰ کی حقیقت کیا ہونی چاہیے ۔ اب ہم قرآن مجید کی روشنی میں یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ درحقیقت تقویٰ ہے بھی یہی ۔ سب سے پہلے لفظ تقویٰ کو لیجیے کہ قرآن نے اس لفظ کو کس مفہوم میں استعمال کیا ہے ۔ فرمایا ہے :

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ۭ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ۭ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۡ

(البقرۃ - ۲ : ۱۹۷)

حج کے متعین مہینے ہیں تو جو کوئی ان میں حج کا عزم کر لے تو پھر اس کے لیے حج میں نہ شہوت کی کوئی بات کرنی ہے، نہ فسق و فجور کی، اور نہ لڑائی جھگڑے کی۔ اور نیکی کے جو کام بھی کرو گے اللہ اس کو جانتا ہے اور اس کے لیے تقویٰ کا زادِ راہ لو، بہترین زادِ راہ تقویٰ کا زادِ راہ ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر عبادت کے لیے قیود و شرائط ہیں اور اس کا نتیجہ بخش ہونا اس بات پر منحصر ہے کہ ان قیود و شرائط کے ساتھ ہی اس کو پورا کیا جائے۔ مثلاً حج کے سفر کے لیے جو لوگ نکلیں ان کے لیے ضروری ہے کہ اپنے نفس کو شہوات سے، زبان کو گالی گلوچ اور بدگوئی سے، ہاتھ پاؤں کو جنگ و جدال سے محفوظ رکھیں اور جہاں تک ممکن ہو بھلائیاں کریں۔ پھر ان تمام باتوں سے محفوظ رہنے کو تقویٰ قرار دیا اور اس تقویٰ کو بہترین زادِ راہ سے تعبیر فرمایا۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ جس طرح وہ شخص، جو بغیر زادِ راہ کے سفر کے لیے اٹھ کھڑا ہوا ہے، ہر قدم پر اس کی زندگی خطرات سے دوچار ہے، نہیں معلوم کس مرحلہ میں بھوک اور پیاس اور بے سروسامانی اس کا خاتمہ کر دے، اسی طرح جو شخص تقویٰ کے زادِ راہ اور حدودِ الٰہی کی پاسداری کے عزم کے بغیر حج کے لیے چل پڑا ہے نہیں معلوم کس جگہ اس کے نفس کی شہوت اور اس کی زبان کی بے قیدیاں اس کے سارے حج کو غارت کر دیں۔

دوسری جگہ فرمایا:

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭ

اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر نہ ابھارے کہ تم عدل نہ کرو۔ عدل کرو،

اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى   یہی تقویٰ سے قریب تر ہے۔

(المآئدۃ - ۵ : ۸)

اس آیت میں مخالفین اور دشمنوں کے بارہ میں عدل و انصاف پر قائم رہنے کو تقویٰ سے اوفق قرار دیا۔

ایک اور مقام میں ہے:

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ	اور تم نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو، گناہ
وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا	اور تعدی میں تعاون
عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ	نہ کرو۔

(المآئدۃ - ۵ : ۲)

اس آیت میں بر، اثم، تقویٰ اور عدوان کا تقابل ہے اور کسی لفظ کا مقابل اپنے مقابل کے صحیح مفہوم کی تعیین میں سب سے زیادہ مدد کرتا ہے۔ عُدْوَان کے معنی تجاوز عن الحد یعنی اپنی متعینہ حد سے آگے بڑھ جانے کے ہیں۔ اس وجہ سے تقویٰ کے معنی اللہ کی حدود کی حفاظت کے ہوں گے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے جو حقوق واجب کردیے ہیں، جو حدود متعین کر دیے ہیں، جو حلال و حرام ٹھہرا دیے ہیں، پورے خوفِ خدا کے ساتھ ان کی نگہداشت کی جائے۔

سورۃ توبہ میں ہے:

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى	وہ مسجد جس کی بنیاد روزِ اوّل سے تقویٰ
مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ	پر پڑی ہے وہ حقدار ہے کہ تم اس
تَقُوْمَ فِيْهِ	میں کھڑے ہو۔

(التوبۃ - ۹ : ۱۰۸)

اس آیت سے اوپر والی آیت میں مسجدِ ضرار کا ذکر ہے، جس کا مقصد ضِرَارًا وَّ

كُفْرًا وَّتَفْرِيقًاۢ بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ (التوبۃ - ۹ : ۱۰۷) (اسلام کو نقصان پہنچانے، کفر کو تقویت دینے اہل ایمان کے درمیان پھوٹ ڈالنے اور ان لوگوں کے لیے ایک اڈا فراہم کرنے کی غرض سے جو اللہ اور اس کے رسول سے پہلے جنگ کرچکے ہیں) بیان کیا گیا ہے۔ یعنی مسلمانوں کو نقصان پہنچانا، خدا کی ناشکری کرنا، مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنا اور اللہ اور رسول کے مخالفوں کے لیے ایک اڈا مہیا کرنا۔ اس کے بعد اس مسجد کا ذکر کیا گیا ہے جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو باتیں ان باتوں کی ضد ہیں، یعنی مسلمانوں کی خیرخواہی، اللہ کی شکرگزاری، مسلمانوں میں اتحاد و تالیفِ قلب پیدا کرنے کی کوشش اور اللہ اور اس کے رسول کے مخالفین سے بیزاری، یہ سب تقویٰ کی باتیں ہیں۔

ایک اور مقام میں فرمایا :

اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ	اس وقت کا خیال کرو جب کفر کرنے
قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ	والوں نے اپنے دلوں میں حمیت پیدا کی :
الْجَاهِلِيَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ	جاہلیت کی حمیت۔ تو اللہ نے اپنی جانب
سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ	نازل فرمائی اور اپنے رسول اور ایمان والوں
وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلْزَمَهُمْ	پر اور ان کو پابند رکھا تقویٰ کی بات کا
كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْا اَحَقَّ	اور یہ اس کے حقدار اور
بِهَا وَاَهْلَهَا ؕ	سزاوار تھے۔

(الفتح - ۴۸ : ۲۶)

کفارِ مکہ نے حدیبیہ کے دن حمیتِ جاہلیت کے جنون میں مسلمانوں کو بیت اللہ میں داخل ہونے سے روک دیا اور باوجودیکہ مسلمان ایک طاقتور عصبیت و حمیت کے ساتھ وہاں موجود تھے اور ان کے جذبات کفار کے اہانت انگیز سلوک کی وجہ سے نہایت مشتعل

ہو رہے تھے، لیکن وہ اللہ اور رسول کے فیصلہ پر راضی رہے اور جذبات کے ہیجان میں اس حد سے متجاوز نہیں ہوئے جس پر اللہ کے رسول نے ان کو روک دیا تھا۔ اللہ اور رسول کے فیصلے پر اس حمایت کو جو انہوں نے "رَضِیْتُ بِاللّٰہِ رَبًّا وَّبِمُحَمَّدٍ رَّسُوْلًا وَّبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا"[1] (میں خداوند تعالیٰ کی ربوبیت، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رسالت اور دین اسلام سے خوش ہوں) کے الفاظ سے ظاہر کی، آیت مذکورہ بالا میں کلمۂ تقویٰ سے تعبیر کیا گیا ہے اور مسلمانوں کی نہایت تعریف کی گئی کہ انتہائی صبر آزما حالات میں بھی وہ اس کلمہ کے اہل قرار پائے۔

ایک سرسری نظر ان کاموں پر بھی ڈالیے جن کو قرآن نے اتقاء کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ مثلاً فرمایا ہے:

وَلَوْ اَنَّھُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ خَیْرٌ (البقرۃ - ۲: ۱۰۳)	اور اگر وہ ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو اللہ کا ثواب ان کے لیے کہیں بہتر تھا۔

یہاں "وَاتَّقَوْا" کا لفظ بالکل "وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ" کی جگہ پر ہے اور سیاق کلام کو پیش نظر رکھ کر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود اللہ کی کتاب کو چھوڑ کر جن علوم سفلیہ میں مبتلا ہو گئے تھے، ان سے بچنے کے لیے یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔

دوسری جگہ فرمایا ہے:

وَلَکُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیٰوةٌ یّٰاُولِی الْاَلْبَابِ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ○ (البقرۃ - ۲: ۱۷۹)	اور تمہارے لیے قصاص میں اے عقل والو، زندگی ہے۔ تاکہ تم حدود الٰہی کی پابندی کرو۔

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب ۱۰

یعنی اگر قصاص لینے میں کوتاہی کی گئی تو کسی کی جان بھی دوسروں کی تعدی سے محفوظ نہ رہے گی۔ پس حدود پر قائم رہنے اور قائم رکھنے کے لیے قصاص لینا ضروری ہے۔ یہاں حدود الٰہی کی نگرانی کے لیے تقوی کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

روزہ کے متعلق ارشاد ہے :

یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ	اے ایمان والو! تم پر بھی روزہ فرض کیا
عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ	گیا ہے جس طرح تم سے پہلے والوں پر
عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ	فرض کیا گیا تھا تاکہ تم تقوی حاصل
لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۙ	کرو۔

(البقرۃ - ۲ : ۱۸۳)

روزہ کا مقصد یہ ہے کہ آدمی کو اپنے جذبات و شہوات پر قابو حاصل ہو جائے تاکہ وہ زندگی کے مختلف مرحلوں میں اللہ کے حدود کی حفاظت کر سکے۔ اسی مفہوم کو یہاں لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ کے الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے۔

ایک جگہ ہے :

فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَیْكُمْ فَاعْتَدُوْا	تو جو تم پر زیادتی کریں تم بھی ان کی زیادتی
عَلَیْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى	کے جواب میں اسی کے برابر ان کو جواب
عَلَیْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْا	دو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور یہ یقین رکھو
اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ ۝	کہ اللہ حدودِ الٰہی کا احترام کرنے والوں
(البقرۃ - ۲ : ۱۹۴)	کے ساتھ ہے۔

یہاں "وَاتَّقُوا اللّٰهَ" (اور اللہ سے ڈرتے رہو) سے مطلب یہ ہے کہ بدلہ لینے میں اپنے حق سے تجاوز نہ کرو، بلکہ اللہ تعالیٰ کے قائم کیے ہوئے حدود کے پابند رہو۔

یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا	اے ایمان والو! ان پاکیزہ چیزوں کو حرام

طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ○ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ○

نہ ٹھہراؤ جو خدا نے تمہارے لیے جائز کی ہیں اور نہ حدود سے تجاوز کرو، اللہ حدود سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ خدا نے تمہیں جو حلال و طیب چیزیں بخشی ہیں ان کو برتو اور اس سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان لائے ہو۔

(المائدۃ - ۵ : ۸۷ - ۸۸)

یہاں وَاتَّقُوا اللّٰهَ سے مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حرام و حلال کے جو حدود ٹھہرا دیے ہیں ان کی پوری پابندی کرو۔ نہ اس کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام ٹھہراؤ، نہ حرام کی ہوئی چیزوں کو جائز قرار دو۔ جو شخص ایسا کرتا ہے وہ اللہ کی نظروں میں مبغوض ہے اور اس کے لیے سخت سزا ہے:

اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ○

وہ لوگ جن سے تم نے عہد لیا پھر وہ اپنا عہد ہر بار توڑ دیتے ہیں اور وہ ڈرتے نہیں۔

(الانفال - ۸ : ۵۶)

اس آیت میں لَا يَتَّقُوْنَ سے مراد عہد شکنی اور خیانت سے نہ بچنا ہے:

وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ؕ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا ○

اور حمل والیوں کی مدت وضع حمل ہے اور جو اللہ سے ڈرے گا تو اللہ اس کے لیے اس معاملے میں آسانی پیدا کرے گا۔

(الطلاق - ۶۵ : ۴)

اس آیت میں اس بات کو تقویٰ کا کام قرار دیا گیا ہے کہ حاملہ عورت کو اگر طلاق دی جائے تو وضعِ حمل سے پہلے اس کو گھر سے نہ نکالا جائے اور اس دوران میں اس کے نان نفقہ کی ذمہ داری اٹھائی جائے اور ہر طرح کے حسنِ سلوک کا اس کو حق دار سمجھا جائے:

وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَاتَّقُوا	اور عدت کا شمار رکھو اور اللہ سے جو
اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ	تمہارا پروردگار ہے، ڈرتے رہو اور ان
مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ	کو ان کے گھروں سے نہ نکالو......
وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ	اور جو اللہ سے ڈریں گے تو اللہ ان کے
لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ وَّيَرْزُقْهُ	لیے راہ نکالے گا اور ان کو وہاں سے رزق
مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۭ	دے گا جہاں سے ان کو گمان بھی نہ ہوگا۔

(الطلاق - ۶۵ : ۱-۳)

متقین کی صفات :

اب ہمیں ایک سرسری نظر ان آیات پر بھی ڈالنی چاہیے جن میں متقین کی خصوصیات و صفات بیان کی گئی ہیں تاکہ اچھی طرح واضح ہو جائے کہ قرآن کی اصطلاح میں متقی کون لوگ ہیں۔ فرمایا:

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا	خدا کے ساتھ وفاداری محض یہ نہیں ہے
وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ	کہ تم مشرق اور مغرب کی طرف رخ کرو،
وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ	بلکہ وفاداری ان کی وفاداری ہے جو اللہ
مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ	پر، یومِ آخرت پر، فرشتوں پر، کتاب پر
الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ	اور نبیوں پر صدقِ دل سے ایمان لائیں؛
وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى	اور اپنے مال، اس کی محبت کے باوجود،

حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى	قرابت مندوں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں،
وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ	سائلوں اور گردنیں چھڑانے پر خرچ کریں؛
وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ	اور نماز قائم کریں؛ اور زکوٰۃ ادا
وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ	کریں؛ جب معاہدہ کر بیٹھیں تو اپنے
وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ	عہد کو پورا کرنے والے ہوں؛ خاص کر
اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ	وہ لوگ جو فقر و فاقہ، تکالیف
فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ	جسمانی اور جنگ کے اوقات میں ثابت
وَحِيْنَ الْبَاْسِ ۗ اُولٰٓئِكَ	قدم رہنے والے ہوں۔ یہی لوگ
الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۗ وَاُولٰٓئِكَ	ہیں جنہوں نے راست بازی دکھائی
هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝	اور یہی لوگ ہیں جو سچے متقی ہیں۔

(البقرہ - ۲ : ۱۷۷)

یہ آیت کسی شرح کی محتاج نہیں ہے۔ دین داری اور تقویٰ کے اصل مقتضیات اس میں پورے بیان ہو گئے ہیں اور ساتھ ہی اس میں ان لوگوں کی پوری تردید بھی ہو گئی ہے جو دین کے مطالبات میں سے کچھ رسوم یا بعض احکام کی پابندی میں مبالغہ کر کے یہ چاہتے ہیں کہ اس زیادتی سے اس کی تلافی کر دیں جو وہ دین کے اصل مطالبات پورے کرنے میں کر رہے ہیں۔ قرآن نے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ یہ وفاداری اور تقویٰ نہیں ہے۔ تقویٰ کے کاموں میں فلاں فلاں کام اصل و اساس کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان میں خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر کام یہ ہے کہ مصائب و شدائد اور جنگوں میں حق کے لیے استقامت و عزیمت کا جوہر نمایاں ہو۔

دوسری جگہ فرمایا:

بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ	ہاں، جو لوگ اس کے عہد کو پورا کریں گے

وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝

(آل عمران - ۳ : ۷۶)

اور اللہ سے ڈریں گے تو بے شک اللہ اپنے سے ڈرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

اس آیت میں ان لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ کے عہد پر قائم رہیں اور بدعہدی سے بچیں متقی اور محبوبِ خدا قرار دیا گیا ہے۔

يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ۝

(آل عمران - ۳ : ۱۱۴-۱۱۵)

یہ لوگ اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، معروف کا حکم دیتے ہیں، منکر سے روکتے ہیں اور بھلائی کے کاموں میں سبقت کرتے ہیں اور یہ لوگ نیکوکاروں میں سے ہیں۔ جو نیکی بھی یہ کریں گے تو اس سے محروم نہیں کیے جائیں گے اور اللہ متقیوں سے باخبر ہے۔

ان آیات میں ایمان بالآخرت، نہی عن المنکر، مسابقت فی الخیرات کو متقین اور صالحین کی صفات میں گنایا گیا ہے۔

وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ

اور اپنے رب کی مغفرت اور اس جنت کے لیے مسابقت کرو جس کا عرض آسمانوں اور زمین کے عرض کی طرح ہے یہ پرہیزگاروں کے لیے تیار ہے۔ ان لوگوں کے لیے جو کشادگی اور تنگی، ہر حال میں خرچ کرتے رہتے ہیں، غصہ کو ضبط کرنے والے

الْمُحْسِنِيْنَ ۝	اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں۔
(آل عمران - ۳ : ۱۳۴-۱۳۳)	اور اللہ خوب کاروں کو دوست رکھتا ہے۔

ان آیات میں متقیوں کی خاص صفات یہ بیان کی گئی ہیں کہ وہ تنگی اور فراخی ہر حال میں لوگوں کے حقوق ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور دشمنوں کے لیے بھی ان کے اندر رحم شفقت اور عفو و درگزر ہے۔

اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ	وہ مشرکین اس سے مستثنیٰ ہیں جن سے
الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ	تم نے معاہدہ کیا اور انہوں نے اس
شَيْئًا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ	میں نہ تم سے کوئی خیانت کی اور نہ
اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ	تمہارے خلاف کسی کی مدد کی تو سو
اِلٰى مُدَّتِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ	ان کے معاہدے ان کی قرارداد مدت
يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝	تک پورے کرو، اللہ متقیوں کو دوست
(التوبۃ - ۹ : ۴)	رکھتا ہے۔

اس آیت میں عہد کی پابندی کرنے والے کو متقی اور محبوب خدا کہا گیا ہے۔

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا	یہ دارِ آخرت ہم انہیں لوگوں کے لیے
لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا	خاص رکھیں گے جو زمین میں غرور
فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۭ وَالْعَاقِبَةُ	اور فساد کے چاہنے والے نہیں ہیں اور
لِلْمُتَّقِيْنَ ۝	انجام کار کی کامیابی متقیوں کے لیے ہی
(القصص - ۲۸ : ۸۳)	ہے۔

اس آیت میں ان لوگوں کو متقی کہا گیا ہے جو خدا کی زمین میں خدا کے قانون کی پیروی کرتے ہیں اور اس میں فساد نہیں پھیلاتے یعنی خدا کے قانون کو درہم برہم نہیں کرتے۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ	بے شک متقی لوگ باغوں اور چشموں میں

عُيُوْنٍ ۝ اٰخِذِيْنَ مَآ اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ ۝ كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ۝ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝ وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّاۗىِٕلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝

(الذّٰریٰت ۔ ۵۱ : ۱۵-۱۹)

ہوں گے۔ پا رہے ہوں گے جو کچھ ان کے رب نے ان کو بخشا۔ بے شک وہ اس سے پہلے خوب کاروں میں تھے۔ وہ راتوں میں کم ہی سوتے تھے اور صبح کے وقتوں میں مغفرت مانگتے تھے اور ان کے مالوں میں سائل اور محروم کا حق تھا۔

ان آیات میں متقیوں کی صفات یہ گنائی گئی ہیں کہ وہ تہجد پڑھتے ہیں، صبح کو استغفار کرتے ہیں، اپنے مالوں میں سے سائلوں اور محروموں کا حق نکالتے ہیں۔

تقویٰ، اتقاء، متقی کی جو صفات قرآن مجید نے بیان کی ہیں ایک موزوں ترتیب کے ساتھ وہ ہم نے پیش کر دی ہیں۔ ان پر ایک نظر ڈال کر ہر شخص بآسانی اندازہ کر سکتا ہے کہ تقویٰ کے جو لوازم آج سمجھ لیے گئے ہیں ان کو اس تقویٰ سے کوئی نسبت نہیں ہے جس کا مطالبہ قرآن مجید نے کیا ہے۔ قرآن مجید جس چیز کو تقویٰ قرار دیتا ہے اس کی حقیقت اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کے مقرر کیے ہوئے حدود کی پابندی کرے۔ اور اس ڈر سے کرے کہ آج کی ادنیٰ سے ادنیٰ کوتاہی کا بھی ایک روز اللہ کو حساب دینا ہے اور اس دن نہ کسی کی دوستی کام آئے گی نہ کسی کی سعی و سفارش کچھ نفع پہنچائے گی، صرف آدمی کے نیک اعمال کام آئیں گے اور خدا کی رحمت و عنایت۔

باب ۲

تقویٰ کی حقیقت احادیث کی روشنی میں

احادیث کے متعلق ایک اصولی حقیقت:

پچھلے باب میں ہم نے تقویٰ کی حقیقت پر قرآن مجید سے بحث کی ہے۔ اب ہم چاہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی روشنی میں بھی یہ دیکھ لیا جائے کہ تقویٰ کی حقیقت کیا ہے؟ لیکن احادیث پر غور کرنے سے پہلے احادیث کے متعلق ایک اصولی حقیقت پیش نظر رکھ لینی چاہیے۔ وہ یہ کہ جس طرح اللہ کے رسولوں کے درمیان تفریق ناجائز ہے، ہم یہ نہیں کر سکتے کہ کسی پر ایمان لائیں اور کسی کا انکار کر دیں، جس طرح قرآن کی آیتوں میں فرق کرنا حرام ہے، ہم کو یہ حق نہیں ہے کہ اس کے کچھ حصّہ کو حجت و استدلال کے لیے اختیار کریں اور کچھ کو چھوڑ دیں، اسی طرح یہ بات بھی بالکل ناجائز ہے کہ رسول کے اقوال و ارشادات میں سے کچھ کو ہم اپنے عمل یا استدلال کے لیے اختیار کر لیں اور کچھ کو نظر انداز کر دیں۔ ان تمام صورتوں میں بعض کو چھوڑنا سب کو چھوڑنے کے ہم معنی ہے اور نہایت بے وقوف ہے وہ مسلمان جو اللہ اور اس کے رسول کی تعلیمات میں اس طرح کی تقسیم کرتا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ اس کی تفریق و تقسیم کا فتنہ آج عام ہے۔ کتنے مسلمان ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں اسی طرح کی تفریق کر کے اپنے زعم میں نہایت متقی بنے پھر رہے ہیں، حالانکہ اگر وہ آپ کی تعلیمات پر بحیثیت مجموعی نظر ڈالیں تو انہیں

معلوم ہو کہ تقویٰ تو درکنار ان کا ایمان و اسلام بھی معرضِ خطر میں ہے۔ اسی طرح کی تقسیم و تفریق کا یہ کرشمہ ہے کہ بعض دعاؤں اور بعض نوافل پر جو کسی بڑے اجر و ثواب کا ذکر احادیث میں آیا ہے تو بعض لوگ اس کے معنی یہ سمجھتے ہیں کہ جو شخص بھی اس دعا یا نفل کا التزام کرے گا اس کے لیے یہ اجر و ثواب اور یہ درجہ اور مقام ہے۔ خواہ زندگی کے دوسرے شعبوں میں اس کا رویّہ رسول کی ہدایت کے موافق ہو یا نہ ہو۔ حالانکہ یہ بات غلط ہے۔ بعض نوافل اور بعض اوراد کے اوپر جو بڑی بڑی برکتوں کا احادیث میں ذکر آیا ہے یہ ان لوگوں کے لیے ہے جو اپنی ساری زندگی کو حدودِ شریعت کے اندر رکھتے ہوئے، ان اوراد و نوافل کا التزام کرتے ہیں۔ ورنہ ہو سکتا ہے کہ ایک طرف کوئی شخص کسی وظیفہ اور نفل کا پابند ہو اور دوسری طرف اس کی کمائی حرام کی ہو۔ ایک طرف تو وہ رات رات بھر نفلیں پڑھتا ہو اور تسبیحیں گردانتا ہو، لیکن دوسری طرف وہ سارا دن کسی نظامِ باطل کی خدمت و اطاعت میں بسر کرتا ہو۔ ایک طرف تو نمازوں میں اس کی پنڈلیاں سوج جاتی ہوں، لیکن دوسری طرف اس کے پڑوسیوں اور اس کے اقرباء کو اس کے فتنوں سے کسی وقت بھی امان نہ حاصل ہو۔ ایسے شخص کے لیے اپنے اوراد و وظائف سے تقویٰ کا درجہ حاصل کرنا تو الگ رہا، حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ایمان بھی معتبر نہیں ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر ایک طرف یہ فرمایا ہے کہ فلاں فلاں دعاؤں سے آدمی کے اتنے گناہ معاف ہو جاتے ہیں یا اس کے مدارج اتنے بلند ہو جاتے ہیں تو دوسری طرف یہ بھی فرمایا ہے کہ حرام خور کی کوئی دعا بھی قبول نہیں ہوتی؛ اگر ایک طرف یہ ارشاد فرمایا ہے کہ راتوں کو جاگ کر نفلیں پڑھنے کا یہ اجر و ثواب ہے تو دوسری طرف یہ بھی فرمایا ہے کہ یتیم کا حق ہڑپ کرنے والا اپنا ایمان بھی ضائع کر بیٹھتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں نے رسول کے احکام و ہدایات میں سے کچھ باتیں منتخب کر لی ہیں اور ان پر عمل کر کے مطمئن ہو بیٹھے ہیں کہ وہ متقی بن گئے ہیں وہ سخت مغالطہ اور فتنہ میں مبتلا ہیں۔ اللہ کا رسول کوئی دکاندار نہیں کہ آپ کو اس کی دکان کا جو مال پسند آئے وہ خرید لیں۔

وہ تو آپ کی ساری زندگی کے لیے واجب الاطاعت ہادی بن کر آتا ہے کہ نقد دل اور نقد جان، دونوں اس کی نذر کیجیے اور زندگی کے ہر گوشہ میں اسی کے نمونہ کی پیروی کیجیے۔

اور غور کیجیے تو یہ بات بالکل عقل و فطرت کے مطابق ہے۔ اگر کہا جائے کہ جو کسان ایک دانہ زمین میں ڈالتا ہے وہ دس پاتا ہے تو اس کے معنی ہرگز یہ نہیں ہیں کہ یہی نتیجہ اس صورت میں بھی برآمد ہوگا جب کہ بیج سڑا ہوا ہو اور کسی زرخیز زمین کے بجائے کسی بنجر زمین میں ہی ڈال دیا گیا ہو، یا تخم ریزی کے موسم کے بجائے بالکل بے وقت اور بالکل خلافِ موسم ہی پھینک دیا گیا ہو یا بیج ڈالنے کے بعد ارضی و سماوی آفتوں سے اس کے بچانے کی کوئی کوشش بھی نہ کی گئی ہو، بلکہ اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ جو کسان کاشت کاری کی تمام شرطیں پوری کرتا ہے اس کے لیے قانونِ قدرت نے یہ برکت رکھی ہے کہ وہ ایک دانہ بو کر اس کے صلہ میں دس پاتا ہے۔ باقی رہا وہ احمق دہقان جو صبح کو تخم ریزی کرتا ہے اور شام کو جا کر اس میں ہل چلا دیتا ہے تو کھتے بھرنا تو الگ رہا وہ اپنی محنت اور اپنا سرمایہ بھی برباد کرتا ہے اور پڑوسیوں کے طعنے بھی سنتا ہے۔ یہی حال ان مسلمانوں کا ہے جو کسی نیکی کے کلمہ یا تقویٰ کے کام کو بر و تقویٰ کا اصل مقام سمجھ بیٹھے ہیں اور اس امر کی انہیں بالکل خبر نہیں ہے کہ اپنی بعض نیکیوں سے اپنے تقویٰ کی عمارت شب میں وہ جتنی اونچی کرتے ہیں دن میں اپنے اعمال کے ہاتھوں اس سے زیادہ اس کو ڈھا دیتے ہیں۔ یہ سادہ لوح یہ تو جانتے ہیں کہ فلاں کلمہ کو اتنی بار پڑھ لینے سے یہ درجہ حاصل ہو جاتا ہے اور فلاں وقت اتنی رکعتیں نفل کی ادا کر لینے سے یہ ثواب ملتا ہے، لیکن یہ بالکل نہیں جانتے کہ جس رسول نے یہ باتیں بتائی ہیں اسی نے یہ بھی بتایا ہے کہ فلاں فلاں باتیں کرنے سے آدمی کی یہ ساری سعی اکارت ہو جاتی ہے۔

احادیث کے متعلق یہ اصولی حقیقت پیشِ نظر رکھ کر اگر آپ حدیثوں پر غور کریں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ تقویٰ کی جو حقیقت ہم نے قرآن مجید سے متعین کی ہے اسی کی تائید نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے بھی ہوتی ہے۔ یعنی یہ کہ تقویٰ اللہ تعالیٰ کے

مقرر کیے ہوئے حدود کی کامل نگہداشت کا نام ہے۔ یہ زندگی کی عام شاہراہ سے کوئی الگ چیز نہیں ہے، بلکہ زندگی کو خدا کے قائم کیے ہوئے حدود کے اندر بسر کرنے ہی کا نام تقویٰ ہے۔ یہ کسی درجہ میں بھی زندگی کے مطالبات و مقتضیات کی نہ توفیق کرتا نہ ان میں مزاحم ہوتا، البتہ یہ زندگی کے کسی مطالبہ کو یہ اجازت نہیں دیتا کہ وہ اپنی فطری یا اخلاقی حدود سے متجاوز ہوکر فرد یا معاشرے کو کسی مادی یا اخلاقی مہلکہ میں ڈال دے۔ یہ نہ تو فطری حاجتوں کی راہ میں کوئی عائق ہے، نہ نفس کی خواہشوں کی راہ میں کوئی خواہ مخواہ کی رکاوٹ اور نہ دل و دماغ اور سمع و بصر کی جولانیوں اور بلند پروازیوں کی یہ راہ مارتا ہے۔ اس کا کام صرف یہ ہے کہ ان کی کارفرمائی کے لیے ایک صراطِ مستقیم سامنے کر دیتا ہے اور اس کے ہر طرف نشانِ راہ قائم کر دیتا ہے تاکہ کسی منزل میں انسان بے راہ روی میں پڑ کر اپنے نفس پر یا دوسروں پر کوئی ظلم نہ کر سکے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث میں جس قوت و شدت کے ساتھ لوگوں کو تقویٰ کی تلقین فرمائی ہے اسی قوت کے ساتھ تقویٰ کے ان غلط رجحانات کو روکا ہے جو کسی نوعیت سے فطرتِ انسانی کی ترقی کی راہ میں مزاحم ہو سکتے تھے۔ حضورؐ نے اس بات کو کبھی پسند نہیں فرمایا کہ حدودِ الٰہی کی حفاظت و نگہداشت کے سوا اس کی کوئی خاص صورت و ہیئت قرار پائے اور لوگ باسم تقویٰ اس کو بت بنا کر پوجیں۔ نیز اس بات کی بھی نہایت واضح الفاظ میں تصریح فرمائی کہ تقویٰ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کو زُہد اور ترکِ دُنیا سے کوئی خاص لگاؤ ہو، بلکہ اللہ کے دین پر چلنے اور چلانے کی ہر جدّ وجہد اور خدا کی شریعت کو سمجھنے اور سمجھانے کی ہر کوشش تقویٰ ہی کی راہ میں جہاد ہے۔

تقویٰ کی حد :

احادیث کی روشنی میں تقویٰ کی حقیقت سمجھنے کے لیے سب سے پہلے یہ دیکھیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تقویٰ کی حد کیا بیان فرمائی ہے۔ نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے :

قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الحلال بيّن والحرام بيّن و بينهما مشتبهات لا يعلمهن كثير من الناس. فمن اتقى الشبهات استبرأ لدينه وعرضه، ومن وقع في الشبهات وقع في الحرام، كالراعي يرعى حول الحمى، يوشك ان يرتع فيه. الا وان لكل ملك حمى. الا وان حمى الله محارمه[1]

انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حلال واضح ہے اور حرام واضح ہے اور ان کے درمیان کچھ چیزیں مشتبہ ہیں جن کو اکثر لوگ نہیں جانتے۔ پس جو ان مشتبہ چیزوں سے بچا وہ اپنے دین اور اپنی آبرو کو بچا لے گیا اور جو شبہات میں پڑا وہ حرام میں مبتلا ہوا۔ جس طرح وہ چرواہا جو چراگاہ کے پاس اپنا گلہ چراتا ہے اغلب ہے کہ اس کا گلہ چراگاہ میں پڑ جائے۔ آگاہ! ہر بادشاہ کے پاس محفوظ علاقہ ہوتا ہے اور اللہ کا محفوظ علاقہ اس کے محارم ہیں۔

اس حدیث میں حضورؐ نے یہ حقیقت سمجھائی ہے کہ جو چیزیں حلال ہیں وہ واضح طور پر معلوم ہیں اور جو چیزیں حرام ہیں ان کی بھی اللہ کی کتاب اور سنت میں تصریح کردی گئی ہے۔ پس یہ مطالبہ تو ہر مسلمان سے ہے کہ اللہ کی حلال کی ہوئی چیز کو حلال اور اس کی حرام کی ہوئی چیز کو حرام قرار دے اس کے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہوسکتا لیکن حلالِ ظاہر اور حرام ظاہر کے درمیان کچھ چیزیں ایسی ہوتی ہیں جن کی نسبت قطعیت کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ حرام ہیں یا حلال۔ ایسی صورتوں میں جو شخص احتیاط کے پہلو کو اختیار کرے اور مشتبہ میں نہ پڑے

---

1 صحیح مسلم، کتاب المساقاۃ، باب اخذ الحلال وترک الشبہات۔

وہ متقی مسلمان ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ جو لوگ اونٹ کو نگلنے کے بعد مچھر کو چھان کر تقویٰ کی نمائش کرتے ہیں ان کا تقویٰ محض فریب ہے۔ تقویٰ یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کے احکام و حدود کا پورا پورا پابند ہو اور جب اس کے سامنے کوئی ایسی چیز آئے جس میں جانبِ حق اس پر پوری طرح واضح نہ ہو تو وہ اشتباہ کے پہلو کو چھوڑ کر طمانیت کے پہلو کو اختیار کرے۔ جو شخص ایسا کرتا ہے وہ متقی ہے اور اس کا دین اور اس کی آبرو ہر تہمت اور اشتباہ سے محفوظ ہے۔ اس حقیقت کو حضورؐ نے مختلف طریقوں سے بیان فرمایا ہے اور چونکہ تقویٰ کی اصل حد متعین کرنے میں ان احادیث سے خاص مدد مل سکتی ہے اس وجہ سے ہم ان میں سے بعض یہاں نقل کیے دیتے ہیں:

عن وابصة بن معبد ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: يا وابصة! جئت تسأل عن البر والاثم. قلت: نعم. قال: فجمع اصابعه فضرب بها صدره وقال: استفت نفسك، استفت قلبك ثلاثاً. البر ما اطمأنت اليه النفس واطمأن اليه القلب والاثم ما حاك في النفس وتردد في الصدر وان افتاك الناس[1]

وابصہ بن معبدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے وابصہ! تم بر و اثم کی حقیقت پوچھنے آئے ہو؟ میں نے عرض کیا: ہاں یا رسول اللہؐ! آپ نے اپنا پنجہ برابر کیا اور اس کو اپنے سینے پر مارا اور فرمایا: اپنے نفس سے پوچھو، اپنے دل سے سوال کرو (تین مرتبہ فرمایا)۔ تقویٰ وہ ہے جس پر تمہارا دل مطمئن ہو جائے اور اثم وہ ہے جو دل میں کھٹکے اگرچہ لوگوں نے اس کے جواز کا فتویٰ دے دیا ہو۔

[1] مسند احمد بن حنبل: ج ۴، ص ۲۲۸

وابصہ بن معبدؓ کا یہ سوال بھی اس حالت سے متعلق ہے جب کہ آدمی کے سامنے حق کا پہلو پوری طرح واضح نہ ہو جائے۔ ایسی صورت میں تقویٰ یہ ہے کہ آدمی اس پہلو کو اختیار کرے جس میں دل طمانیت محسوس کرے اور اس پہلو سے احتراز کرے جس میں طبیعت کو خلش محسوس ہو۔

ایک دوسری روایت میں اسی مضمون کی مزید شرح ہے کہ ایک متقی کے لیے بسا اوقات اندیشۂ معصیت سے بچنے کے لیے ان چیزوں سے بھی احتیاط کرنی پڑتی ہے جن میں بظاہر کوئی حرج نہیں ہوتا:

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: لا یبلغ العبد ان یکون من المتقین حتی یدع ما لا بأس بہ حذرا لما بہ البأس۔[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی بندہ متقیوں میں سے نہیں ہو سکتا جب تک وہ اس چیز کی وجہ سے جس میں اس کو اندیشہ ہے بعض ان چیزوں سے احتراز نہ کرے جس میں بظاہر اندیشہ نہیں ہے۔

اسی مضمون کی ایک روایت حسن بن علیؓ سے ہے:

قال: حفظت من رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: دع ما یریبک الی ما لا یریبک، فان الصدق طمانینۃ، وان الکذب ریبۃ۔[2]

وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات محفوظ رکھی ہے کہ اس پہلو کو چھوڑو جو خلجان میں ڈالتا ہے اور اس کو اختیار کرو جو خلجان میں نہیں ڈالتا۔ صحیح چیز طمانیت بخشتی ہے اور غلط چیز خلجان میں ڈالتی ہے۔

---

۱ جامع الترمذی: کتاب صفۃ القیامۃ، باب ۱۹

۲ جامع الترمذی: کتاب صفۃ القیامۃ، باب ۶۰

ان ساری حدیثوں میں ایک ہی حقیقت بیان کی گئی ہے۔ وہ یہ کہ تقویٰ یہ ہے کہ آدمی ہر گوشۂ زندگی میں اللہ تعالیٰ کے احکام و حدود کی پوری پابندی کرے اور جہاں کہیں اس کے سامنے کوئی ایسی بات آئے جس کے جائز یا ناجائز ہونے کے بارہ میں کوئی قطعی بات وہ نہ کہہ سکے تو اپنے دل سے استفتاء کرے اور اس پہلو کو اختیار کرے جس میں اس کا دل طمانیت محسوس کرے، اس پہلو کو نہ اختیار کرے جو اس کے دل میں کھٹکے۔ جو شخص اس احتیاط کے ساتھ اپنی زندگی میں حدود الٰہی کی نگرانی کر رہا ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق متقی ہے۔

لیکن گناہ سے بچنے کے لیے جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احتیاط کے پہلو پر اس حد تک زور دیا ہے وہیں تقویٰ کا صحیح توازن قائم رکھنے کے لیے اس امر کی بھی تصریح فرما دی ہے کہ یہ احتیاط کہیں وسوسہ کی شکل نہ اختیار کرنے پائے، ورنہ اس کے ڈانڈے نصاریٰ کی رہبانیت سے مل جائیں گے۔ چنانچہ قبیصہ بن ہلبؓ سے دو طرح سے روایت ہے:

قال: سمعت رسول الله صلی الله علیه وسأله رجل فقال: ان من الطعام طعاما اتحرج منه فقال: لا یتخلجن فی صدرک شیء ضارعت فیه النصرانیة[1]	وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا جب کہ ان سے ایک شخص نے پوچھا کہ کھانوں میں بعض ایسے ہیں جن سے میرے دل میں کھٹک پیدا ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا: تمہارے دل میں کوئی ایسی کھٹک نہ پیدا ہو جو نصاریٰ کی رہبانیت سے مشابہ ہو۔
قال: سألت النبی صلی الله	وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ

[1] سنن ابی داؤد: کتاب الاطعمة، باب ۲۴

علیہ وسلم عن طعام	صلی اللہ علیہ وسلم سے نصاریٰ کے کھانے
النصاری ۔ فقال : لا یتخلجن	کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے ارشاد
صدرك طعام ضارعت	فرمایا: تمہارے دل میں کوئی ایسی کھٹک نہ پیدا
فیه النصرانیة ۔[1]	ہو جو نصاریٰ کی رہبانیت سے مشابہ ہو۔

اس حدیث کو اوپر کی احادیث سے ملا کر دیکھیے تو وہ صحیح اور متوازن تقویٰ بالکل ممیز ہو کر سامنے آجاتا ہے جس میں نہ تو اشتباہ کی صورت میں میلان الی المعصیۃ کا شائبہ ہے اور نہ اس میں جذبات کی بے اعتدالی اور متقشفانہ وہمی پن کی کوئی آمیزش ہے، بلکہ تقویٰ کی جو اصل حقیقت ہے بالکل تول کر سامنے رکھ دی گئی ہے۔ احتیاط میں جب وسوسہ کو دخل ہو جاتا ہے تو اس سے وہ راہبانہ تقویٰ وجود میں آتا ہے جو اللہ و رسول کو اسی طرح ناپسند ہے جس طرح حدود الٰہی کے احترام میں رخصت پسندی اور سہل انگاری ناپسند ہے۔

تقویٰ اور زندگی کے مطالبات :

اب ان احادیث پر غور فرمایئے جن میں اس بات کی نہایت واضح تردید ہوتی ہے کہ تقویٰ کسی نوعیت سے بھی زندگی کے مطالبات و مقتضیات کی نفی کرتا ہے :

عن عثمان بن مظعون قال:	عثمان بن مظعونؓ سے روایت ہے کہ انہوں
یا رسول اللہ! ائذن لنا	نے کہا: یا رسول اللہ! ہم کو خصی ہو جانے
فی الاختصاء ۔ فقال رسول اللہ	کی اجازت دیجیے۔ رسول اللہ صلی اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم: لیس	علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے خصی کیا
منا من خصی ولا اختصی	اور جو خصی ہوا وہ ہم میں سے نہیں ہے بلکہ

---

[1] جامع الترمذی، کتاب السیر، باب ۱۶

ان خصاء امتی الصیام. فقال:	امت کا خصی ہونا روزہ رکھنا ہے
ائذن لنا فی ... السیاحة. فقال: ان	کہا: اچھا تو بن باس ہونے کی اجازت
سیاحة امتی الجهاد فی سبیل اللّٰه.	دیجیے۔ فرمایا: میری امت کا
فقال: ائذن لنا فی	بن باس ہونا یہ ہے کہ وہ راہِ خدا
الترهب. فقال: ان ترهب	میں جہاد کرے۔ کہا: اچھا تو ترک
امتی الجلوس فی	دنیا کی اجازت دیجیے۔ فرمایا میری امت
المساجد انتظار الصلوٰة۔[1]	کے لیے نماز کے انتظار میں مسجد میں بیٹھنا ترکِ دنیا ہے۔

بعض لوگوں کو، جنہوں نے تقویٰ کے غلط تصور میں مبتلا ہو کر، زندگی کے مطالبات و ضروریات میں عدمِ توازن پیدا کر دیا تھا اور زہد و عبادت کی طرف جھک پڑے تھے، حضورؐ نے نہایت سختی کے ساتھ ٹوکا اور ان کو متوازن زندگی بسر کرنے کی ہدایت فرمائی۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ بیان کرتے ہیں کہ:

قال لی رسول اللّٰه صلی اللّٰه	مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ عبد اللہ!
علیه وسلم: یا عبد اللّٰه!	کیا یہ صحیح نہیں ہے کہ تم دن کو روزے رکھتے ہو اور
الم اخبر انك تصوم النهار	رات بھر نمازیں پڑھا کرتے ہو؟ میں نے عرض
وتقوم اللیل؟ فقلت: بلی	کیا صحیح ہے یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا:
یا رسول اللّٰه! قال: فلا	ایسا نہ کرو۔ کبھی روزہ رکھو کبھی افطار
تفعل۔ صم وافطر وقم	کرو، نماز بھی پڑھو اور سوؤ بھی۔ کیونکہ
ونم۔ وان لعینك علیك	تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے، تمہاری
حقاً وان لزوجك علیك	آنکھوں کا بھی تم پر حق ہے، تمہاری جورو کا

---

[1] مسند احمد بن حنبل، ج ۲، ص ۱۷۳

حقاً وان لزورك عليك	بھی تم پر حق ہے اور تمہارے ملاقاتی کا
حقاً[1]	بھی تم پر حق ہے۔

مباحات سے انتفاع تقویٰ کے منافی نہیں ہے:

بعض لوگ مباحات[2] اور رخصتوں سے مستفید ہونا شانِ تقویٰ کے منافی سمجھتے ہیں اور بہر منزل پر اپنا ڈیرہ شکلاخ زمین میں ہی ڈالنا کمالِ دینداری سمجھتے ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غلط فہمی کا بھی ازالہ فرمایا ہے۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ:

صنع النبی صلی اللہ علیہ وسلم	نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی کام کیا پھر
شیئاً، فرخص فیہ فتنزہ	اس میں رخصت دے دی تو بعض لوگ
عنہ قوم ۔ فبلغ ذلک	اس رخصت سے فائدہ اٹھانے سے
النبی صلی اللہ علیہ وسلم،	احتراز کرنے لگے۔ جب نبی صلی اللہ علیہ
فخطب فحمد اللہ ثم	وسلم کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے
قال: مابال اقوام یتنزھون	خطبہ دیا، اللہ تعالیٰ کی حمد کی، پھر فرمایا:

1۔ صحیح البخاری: کتاب الصوم، باب حق الجسم فی الصوم

2۔ اوپر ایک روایت ہم نے نقل کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تقویٰ کے لیے اندیشۂ معصیت سے بعض ایسی چیزیں بھی چھوڑنی پڑتی ہیں جن میں بظاہر کوئی حرج نہیں ہوتا ہے، لیکن یہ اس صورت میں ہے جب امرِ حق مشتبہ ہو۔ ایسی صورت میں بلاشبہ تقویٰ یہی ہے کہ آدمی احتیاط کا پہلو اختیار کرے اور مباح مشتبہ سے فائدہ نہ اٹھائے۔ لیکن جس مباح یا جس رخصت پر قلب مطمئن ہے محض اس خیال سے اس کو چھوڑنا کہ اصل دینداری کٹھن راہ اختیار کرنے میں ہے یہ تقویٰ نہیں ہے، بلکہ تقویٰ سے دیوانگا مشق ہے۔

عن الشیء اصنعه. فو الله انی لا علمهم بالله واشد هم له خشیة.[1]

بعض لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ وہ ان کاموں کو کرنے سے احتراز کرتے ہیں جن کو میں خود کرتا ہوں۔ خدا کی قسم میں ان سے زیادہ اللہ کو جاننے والا ہوں اور ان سے زیادہ خدا سے ڈرتا ہوں۔

سنن ابو داؤد میں ایک روایت اس سے بھی زیادہ واضح ہے۔ حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں:

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يقول: لا تشددوا على انفسكم فيشدد الله عليكم. فان قوما شددوا على انفسهم فشدد الله عليهم فتلك بقاياهم في الصوامع والديار (وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ) (الحديد ٥٧: ٢٧).[2]

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ اپنے اوپر سختی مت کرو کہ اللہ بھی تم پر سختی کرنے لگے۔ ایک قوم نے اپنے اوپر سختی کی تو اللہ نے بھی ان پر سختی کی۔ انہی کی یادگاریں کلیساؤں اور گرجوں میں دیکھ رہے ہو (اور یہ ان کی گھڑی ہوئی رہبانیت ہے جس کو اللہ نے ان کے اوپر فرض نہیں کیا)۔

یہ حدیثیں اس بات کا صاف ثبوت ہیں کہ جس طرح رخصتوں کی تلاش اور مباحات سے فائدہ اٹھانے میں جانب حق کی رعایت سے بے پروائی تقویٰ کے خلاف ہے اسی طرح دین میں خواہ مخواہ سختی اور تشدد کے پہلو کا التزام بھی تقویٰ کے منافی ہے۔ تقویٰ کی راہ اس

---

١ صحیح البخاری: کتاب الادب، باب من لم یواجه الناس بالعتاب

٢ سنن ابی داؤد: کتاب الادب، باب فی الحسد

سہل انگاری اور اس تشدد پسندی کے پیچھے ہوئے گل ہے۔

تقویٰ اور کثرت نوافل:

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ تقویٰ کا اصل کام زہد و عبادت ہے۔ آدمی کسی گوشے میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرے، نمازیں پڑھے، روزے رکھے اور اوراد و نوافل میں مشغول رہے، بس یہ کام اصل تقویٰ کے کام ہیں۔ ان کے علاوہ جو کام ہیں، اگرچہ وہ دین کے کام ہوں، لیکن موجودہ زمانہ کے ارباب تقویٰ ان کو تقویٰ کے کام نہیں سمجھتے۔ تقویٰ کا جزو اعظم ان کے ہاں عبادت ہے۔ جو شخص اس چیز میں جتنا ہی اضافہ کرتا جائے گا تقویٰ میں اسی قدر اس کے مدارج بلند ہوتے جائیں گے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت واضح الفاظ میں اس غلط رجحان کی بھی تردید فرمائی ہے۔ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ:

جاء ثلاثة رهط الى بيوت ازواج النبي صلى الله عليه وسلم يسئلون عن عبادة النبي صلى الله عليه وسلم. فلما اُخبروا كانهم تقالوها فقالوا: واين نحن من النبي صلى الله عليه وسلم؛ قد غُفر له ما تقدم من ذنبه وما تأخر. فقال احدهم: اما انا فانى اُصلى الليل ابداً.

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے پاس تین جماعتیں آپ کی عبادت کا حال پوچھنے آئیں۔ جب ان کو آپ کی عبادت کا پورا پورا حال بتایا گیا تو کچھ ایسا ظاہر ہوا کہ ان کی نظر میں بہت کم ہے۔ پھر وہ بولے: ہمارا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا مقابلہ! آپ کے تمام اگلے اور پچھلے گناہ بخش دیے جا چکے ہیں۔ پھر ان لوگوں میں سے ایک شخص بولا: میں ہمیشہ رات بھر عبادت کروں گا۔ ایک دوسرا بولا: میں ہمیشہ روزے رکھوں گا۔

وقال آخر: انا اصوم الدهر ولا افطر. وقال آخر: انا اعتزل النساء فلا اتزوج ابدا. فجاء رسول الله صلی الله علیه وسلم الیهم، فقال: انتم الذین قلتم کذا وکذا؟ اما والله انی لاخشاکم لله واتقاکم له، لکنی اصوم وافطر، واصلی وارقد واتزوج النساء، فمن رغب عن سنتی فلیس منی۔[1]

ایک تیسرے نے کہا: میں عورتوں سے بالکل قطع تعلق کر لوں گا اور کبھی نکاح نہ کروں گا۔ اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آگئے۔ آپ نے فرمایا: تمہیں لوگ یہ کہہ رہے تھے؟ خدا کی قسم! میں تم سے کہیں زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور اس سے تقویٰ اختیار کرنے والا ہوں لیکن اس کے باوجود روزے بھی رکھتا ہوں، ناغہ بھی کرتا ہوں، نمازیں بھی پڑھتا ہوں آرام بھی کرتا ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ جس نے میرے طریقے سے انحراف کیا وہ میری امت میں سے نہیں ہے۔

ایک دوسری حدیث ملاحظہ ہو:

عن الحسن قال: سُئل رسول الله صلی الله علیه وسلم عن رجلین کانا فی بنی اسرائیل: احدهما کان عالما یصلی المکتوبة ثم یجلس فیعلم الناس

حضرت حسنؒ سے روایت ہے، فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بنی اسرائیل کے دو شخصوں کی بابت دریافت کیا گیا: ایک عالم تھا جو فرض نمازیں پڑھ کر بیٹھ جاتا اور لوگوں کو بھلائی کی تعلیم دیتا، اور دوسرا دن میں روزے رکھتا اور شب میں نمازیں پڑھتا

---

[1] صحیح البخاری: کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح

الخير والآخر يصوم
النهار ويقوم الليل:
أيهما أفضل؟ قال
رسول الله صلى الله عليه
وسلم: فضل هذا العالم
الذي يصلي المكتوبة
ثم يجلس فيعلم الناس
الخير على العابد
الذي يصوم النهار و
يقوم الليل، كفضلي
على أدناكم رجلاً [۱]

کرتا تھا، ان میں سے کون افضل ہے؟ آپ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ عالم جو
فرض پڑھ کر لوگوں کی تعلیم میں
مشغول ہو جاتا ہے اس عابد پر جو
دن میں روزے رکھتا اور شب
میں عبادت کرتا ہے وہی فضیلت
رکھتا ہے جو میں تم میں سے ایک
ادنیٰ ترین فرد پر رکھتا ہوں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ:

تدارس العلم ساعة
من الليل خير من إحيائها [۲]

شب میں ایک گھنٹہ علم کا مذاکرہ تمام رات
عبادت کرنے سے بہتر ہے۔

ایک اور روایت ملاحظہ ہو:

عن عبدالله بن عمرو ان
رسول الله صلى الله عليه وسلم
مر بمجلسين في مسجده

حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی
مسجد میں دو جماعتیں دیکھیں اور فرمایا:

---

۱ سنن الدارمی: المقدمة، باب ۳۲

۲ سنن الدارمی: المقدمة، باب ۲۷

فقال: كلاهما على خير، واحدهما افضل من صاحبه. اما هؤلاء فيدعون الله ويرغبون اليه. فان شاء اعطاهم وان شاء منعهم. واما هؤلاء فيتعلمون الفقه والعلم ويعلمون الجاهل فهو افضل. وانما بعثت معلما، ثم جلس فيهم۔[1]

دونوں اچھے کام کر رہی ہیں۔ لیکن ایک دوسری سے افضل ہے۔ یہ لوگ اللہ کو یاد کر رہے ہیں اور اس کی طلب میں لگے ہیں اگر اللہ چاہے گا انہیں بامراد کرے گا اور اگر چاہے گا محروم رکھے گا۔ رہے یہ دوسرے لوگ تو یہ علم دین کے سمجھنے میں لگے ہیں (یا علم دین حاصل کر رہے ہیں) اور جاہلوں کو تعلیم دے رہے ہیں یہ لوگ ان سے افضل ہیں۔ اور میں تو معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں اور یہ کہہ کر انہی کے ساتھ بیٹھ گئے۔

ان تمام روایات سے ثابت ہے کہ زندگی کو ایک قانون کے ساتھ اللہ کے حدود کے اندر بسر کرنے کا نام تقویٰ ہے۔ ایک شخص اگر فرائض ادا کر کے اپنا بقیہ سارا وقت دین کے سیکھنے سکھانے اور اس کی اقامت کی جدوجہد میں صرف کر رہا ہے تو وہ ان لوگوں سے کہیں زیادہ متقی ہے جو رات بھر نمازیں پڑھتے ہیں اور اوراد و وظائف میں مشغول رہتے ہیں، لیکن تعلیم دین یا اقامت دین کی جدوجہد میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے۔

محرمات و مشتبہات سے اجتناب:

ایک نہایت غلط رجحان تقویٰ کے متعلق یہ بھی لوگوں میں پیدا ہو گیا ہے کہ محرمات سے اجتناب کو لوگ تقویٰ کے لیے اتنا ضروری نہیں سمجھتے جتنا نوافل کی زیادتی کو سمجھتے

---

1. سنن الدارمی: المقدمۃ، باب ۳۲

ہیں۔ حالانکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ تقویٰ میں اصل شے جس کا اہتمام مطلوب ہے محرمات اور مشتبہات سے اجتناب ہے۔ اس کے بغیر کوئی شخص کتنی ہی عبادتیں کرے تقویٰ کے مقام کو نہیں حاصل کر سکتا۔ اس زمانہ میں ہم عام طور پر دیکھ رہے ہیں کہ نظامِ باطل کی خدمت کرنے والے، دنیا پرست امراء کی خوشامدیں کرنے والے، حرام کے اندر ختوں پر زندگیاں بسر کرنے والے، اپنی نسلوں کو خدمتِ طاغوت کے لیے تیار کرنے والے محض اس بنیاد پر تقویٰ کے مدعی بنے بیٹھے ہیں کہ انھوں نے کچھ اوراد و نوافل کا اہتمام کر رکھا ہے اور ہر وقت ہاتھوں میں تسبیحیں لٹکائے پھرتے ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غلط فہمی کی بھی اصلاح فرمائی ہے:

عن ابی هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من يأخذ عنى هؤلاء الكلمات فيعمل بهن او يعلم من يعمل بهن؟ فقلت: انا يا رسول الله! فاخذ بيدى وعد خمسا وقال: اتق المحارم تكن اعبد الناس[1]	حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کون مجھ سے یہ باتیں لے کر ان پر عمل کرے گا یا عمل کرنے والوں کو سکھائے گا؟ میں نے عرض کیا: میں یا رسول اللہ! آپ نے میرا ہاتھ پکڑا اور پانچ چیزیں گنائیں ان میں سے پہلی بات یہ تھی کہ حرام چیزوں سے پرہیز کرو سب سے بڑا عابد بن جاؤ گے۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ:

ذكر رجل عند رسول الله	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے

---

[1] سنن الترمذی، کتاب الزهد، باب ٢

صلی اللہ علیہ وسلم بعبادۃ واجتہاد، وذکر عندہ آخر برعۃ، فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: لا تعدل بالرعۃ[1]

ایک شخص کی عبادت اور ذکر الٰہی میں سرگرمی کا ذکر کیا گیا اور ایک دوسرے شخص کے محرمات و مشتبہات سے اجتناب کا۔ آپ نے فرمایا: عبادت کو پرہیزگاری کے برابر نہ کرو۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ:

قال رجل: یا رسول اللہ! ان فلانۃ تذکر من کثرۃ صلوتہا وصیامہا وصدقتہا، غیر انہا تؤذی جیرانہا بلسانہا۔ قال: ہی فی النار۔ قال: یا رسول اللہ! فان فلانۃ تذکر قلۃ صیامہا وصدقتہا وصلاتہا وانہا تصدق بالاثوار من الاقط ولا تؤذی بلسانہا جیرانہا۔ قال: ہی فی الجنۃ[2]

ایک شخص نے کہا: فلاں بی بی کے نماز اور روزے اور صدقہ کی بڑی دھوم ہے لیکن وہ اپنے پڑوسیوں کے ساتھ بدزبانی کرتی ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا: وہ جہنم میں پڑے گی۔ اس نے کہا: یا رسول اللہ! فلاں عورت کے روزے، صدقہ اور نماز کی کمی کی شکایت ہے، کچھ پنیر کے ٹکڑے وغیرہ صدقہ کر دیتی ہے، لیکن پڑوسیوں کے ساتھ بدزبانی نہیں کرتی۔ حضورؐ نے فرمایا: وہ جنت میں داخل ہوگی۔

---

1 سنن الترمذی، کتاب صفۃ القیامۃ والرقائق والورع، باب ۶۰

2 مسند احمد بن حنبل: ج ۲، ص ۴۴۰

تقویٰ اور مظاہرِ تقویٰ :

بعض لوگ بعض مظاہرِ تقویٰ کو عین تقویٰ سمجھ بیٹھے ہیں اور اپنا سارا زور انہی چیزوں پر صرف کرتے ہیں، مثلاً ازار کا ٹخنوں سے اونچا ہونا، ڈاڑھی کا لمبا ہونا، لبوں کا ترشا ہوا ہونا پھر اس فہرست میں اپنے جی سے کچھ اس کے اور مناسبات بھی جمع کر لیتے ہیں، مثلاً صورت کی خستہ حالی، لباس کی بدوضعی، لب ولہجہ کی مصنوعی سکینی، ملنے جلنے میں اظہارِ تذلل، اٹھنے بیٹھنے میں نمائشِ تقویٰ اور قیام و قعود میں اظہارِ خشیت۔ ان کا تقویٰ بس انہی چیزوں سے عبارت ہوتا ہے اور انہی چیزوں کو تقویٰ کا پیمانہ بنا کر اسی سے وہ دوسروں کو ناپتے ہیں اور جن کے اندر یہ باتیں اپنے معیار کے مطابق نہیں پاتے ان کو حقیر خیال کرنے لگتے ہیں، حالانکہ بسا اوقات ان لوگوں کی زندگیاں جن کو یہ حقیر سمجھتے ہیں حدود الٰہی کے احترام میں ان سے زیادہ متوازن ہوتی ہیں، لیکن چونکہ تقویٰ کی بعض اشکال میں یہ ان کے معیار پر پورے نہیں اترتے اس وجہ سے یہ لوگ ان کو خاطر میں نہیں لاتے۔

ان لوگوں کی مثال بالکل ایسی ہے کہ ایک شخص اپنے گھر کے چراغ کو اس کی مرکزی جگہ سے اتار کر کسی ایک گوشہ میں رکھ دے۔ اس کا نتیجہ یہ تو ضرور ہوگا کہ وہ گوشہ زیادہ روشن ہو جائے گا، لیکن دوسرا نتیجہ یہ بھی ہوگا کہ بقیہ گھر بالکل تاریک ہو جائے گا۔ اس کے برعکس دوسرا شخص جو اپنے گھر کے چراغ کو اس کی مرکزی جگہ ہی پر رکھتا ہے اگر اس کے گھر کا کوئی گوشہ زیادہ منور تو نہیں ہوگا، لیکن اس کے تمام اطراف میں روشنی ایک موزوں مقدار میں پھیلے گی۔ پس جو لوگ بعض مظاہرِ تقویٰ کو عین تقویٰ سمجھ بیٹھتے ہیں وہ اپنے تقویٰ کے چراغ کو اپنے دل کے طاق سے، جو مرکز ہے، اتار کر اپنے جسم کے اطراف میں سے کسی گوشہ میں رکھ دیتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کا وہ طرف تو روشن ہو جاتا ہے، لیکن بقیہ سارے اطراف میں وہی تاریکی ہوتی ہے جو ایک بے چراغ گھر میں ہوا کرتی ہے۔ جو لوگ اس طرح کی

غلط فہمی میں مبتلا تھے ان کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے متنبہ فرمایا کہ وہ تقویٰ کا مرکز اطراف انحصار کو نہیں، بلکہ دل کو بنائیں تاکہ ان کے تمام اطراف روشن ہوں اور ان لوگوں کو حقیر نہ خیال کریں جن کا کوئی ایک گوشہ ہر چند ان کی طرح روشن نہیں ہے، لیکن ان کے کسی گوشۂ زندگی میں بھی ظلمت اور فساد کا شائبہ نہیں ہے۔ اس حقیقت کو سامنے رکھ کر ذیل کی حدیث پر غور فرمائیے :

عن ابی ھریرۃ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: المسلم اخو المسلم، لا یظلمہ ولا یخذلہ، ولا یحقرہ۔ التقوی ھٰھنا ویشیر الی صدرہ ثلاث مرات، بحسب امریٔ من الشر ان یحقر اخاہ المسلم۔ کل المسلم علی المسلم حرام، دمہ و مالہ وعرضہ۔[1]

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرے، نہ اسے چھوڑے نہ حقیر جانے۔ تقویٰ یہاں ہے (حضورؐ نے دل کی طرف اشارہ فرمایا اور تین بار فرمایا) کسی شخص کے لیے یہ برائی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر جانتا ہے۔ مسلمان کی ہر چیز مسلمان پر حرام ہے، اس کا خون بھی، اس کا مال بھی، اس کا ناموس بھی۔

یہ تقویٰ جس کا مرکز دل ہو، جو انسان کی زندگی کے تمام اطراف کو روشن کرے، جو ہر شعبۂ زندگی میں اس کو اللہ کے حدود کا پابند بنائے، جس میں کامل توافق ہو، کامل اعتدال ہو، جو نہ ایک قدم اللہ کی حد سے آگے بڑھنے دے، نہ ایک قدم اس سے پیچھے ہٹنے پر راضی ہو، جو دل کو مجبور کرے کہ وہی سوچے جو سوچنا چاہیے، آنکھوں کو مجبور کرے کہ وہی

---

[1] صحیح مسلم: کتاب البر والصلۃ والآداب، باب ۱۰

دیکھیں جو دیکھنا چاہیے، کانوں کی نگرانی کرے کہ وہی سنیں جو سننا چاہیے، زبان کی حفاظت کرے کہ وہی بولے جو حق ہے اور ہاتھ پاؤں کی دیکھ بھال کرے کہ اسی راہ میں اٹھیں جو اللہ نے انسان کے لیے کھولی ہیں، بطن و فروج پر پہرہ بٹھا دے، یہ کسی حرام کو حلال یا کسی حلال کو حرام نہ کریں، جو خدا کی صحیح معرفت، آخرت کے سچے خوف، احکام الٰہی کے سچے جذبۂ احترام کے ساتھ، جو انسان کے ظاہر میں بھی، اور اس کے باطن میں بھی ہو، خلوت میں بھی ہو اور جلوت میں بھی ہو؛ یہ تقویٰ ہے جو انسانی زندگی کے ہر شعبہ کو رونق و جمال بخشتا ہے؛ أُوصیك بتقوی اللّٰه فانه أزین لأمرك كله[1]۔ (میں تمہیں اللہ سے تقویٰ اختیار کرنے کی تلقین کرتا ہوں، اس لیے کہ یہ تمہارے امور کو جلا بخشتا ہے)۔ یہی تقویٰ ہے جس کو قرآن میں لباس سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ جس طرح لباس زندگی کو سردی اور گرمی سے اور میدانِ جنگ میں خطرات سے بچاتا ہے اسی طرح یہ بھی انسان کو مادی و روحانی مہالک سے بچاتا ہے۔ جس طرح لباس انسان کی ستر پوشی کرتا ہے اسی طرح یہ بھی انسان کو معاصی سے بچا کر اس کی پردہ پوشی کرتا ہے اور پھر جس طرح لباس انسان کو زینت و جمال بخشتا ہے اسی طرح تقویٰ بھی انسان کی ساری زندگی کو سنوار دیتا ہے۔ یہی وہ تقویٰ ہے جس کی تعلیم دینے کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوذرؓ کو برابر چھ روز تک متنبہ کرتے رہے کہ غور سے سننا کچھ باتیں کہنی ہیں اور چھ روز کے بعد زبان حق ترجمان جو گویا ہوئی تو پہلی بات یہ ارشاد ہوئی کہ؛ أوصیك بتقوی اللّٰه فی سر أمرك وعلانیته[2]؛ (میں تمہیں اللہ سے تقویٰ اختیار کرنے کی تلقین کرتا ہوں۔ خلوت میں بھی اور جلوت میں بھی)۔

---

[1] مسند احمد بن حنبل: ج ، ص ۳۲۵

[2] مسند احمد بن حنبل: ج ۵، ص ۱۸۱

باب ۳

تقویٰ کی تعلیم کا طریقہ

اوپر کے دو ابواب سے یہ بات تو واضح ہو گئی کہ تقویٰ دراصل حدودِ الٰہی کی نگرانی و حفاظت کا نام ہے۔ جو شخص زندگی کے سفر میں، ہر مرحلہ پر، یہ جاننے کی کوشش کرے کہ خدا نے اس کے بڑھنے اور رکنے کے لیے کیا حدود قائم کیے ہیں اور پھر خدا اور روزِ آخرت کے ڈر سے، جلوت و خلوت میں، ان حدود کی نگرانی کرے اور دیدہ و دانستہ کسی حد کو توڑنے کی جرأت نہ کرے وہ متقی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ بات کس طرح حاصل ہو کہ آدمی اپنی زندگی کے ہر شعبہ میں — خواہ اس کا تعلق پرائیویٹ زندگی سے ہو یا سیاسیات سے، اسی طرح اپنے سارے معاملات میں، خواہ ان کا تعلق غریب سے ہو یا امیر سے، دوست سے ہو یا دشمن سے، عزیز سے ہو یا بیگانے سے، علیٰ ہذا القیاس ہر حال میں خواہ غصہ میں ہو یا محبت میں، تنگی میں ہو یا فراخی میں — خدا کے قائم کیے ہوئے حدود کا اس طرح پابند ہو جائے کہ اگر کبھی جہالت سے بال برابر بھی اس کی پابندی میں فرق آ جائے تو ہوش آتے ہی اس وقت تک کے لیے اس پر کھانے اور سونے کی لذت حرام ہو جائے جب تک وہ اپنے غلط سمت میں اٹھائے ہوئے قدم کو واپس نہ لے لے اور استغفار و توبہ کے ذریعے سے اصلاح مافات نہ کر لے؛ یہ سوال نہایت اہم ہے۔ اسی سوال کا صحیح جواب دین کے خزانہ کی اصلی کلید ہے اور اسی سوال کے جواب سے یہ بات واضح ہو گی کہ ہماری خانقاہیں جو تقویٰ پیدا کرنے کا واحد ذریعہ خیال کی جاتی ہیں، اس مقصد کے لیے کس حد تک مفید ہیں

انبیاء علیہم السلام کا خاص کام :

دنیا میں انبیاء علیہم السلام کا گروہ وہ گروہ ہے۔ جس کا مخصوص کام ہی تقویٰ کی دعوت اور اس کی تعلیم ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتدائے وحی میں حکم ہوا کہ :

يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ	اے چادر پہنے رکھنے والے! اٹھ اور
فَأَنْذِرْ ۝	لوگوں کو ڈرا۔

(المدثر - ۷۴ : ۱-۲)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذمہ پہلے ہی روز جو کام سپرد کیا گیا یہی تھا کہ وہ فرعون کی قوم کو تقویٰ کی دعوت دیں :

وَإِذْ نَادَىٰ رَبُّكَ مُوسَىٰ	اور جب پکارا تیرے رب نے موسیٰ کو
أَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝	کہ ظالم قوم --- قوم فرعون --- کے
قَوْمَ فِرْعَوْنَ ۚ أَلَا يَتَّقُونَ ۝	پاس جاؤ، کیا وہ ڈریں گے نہیں!

(الشعراء - ۲۶ : ۱۰-۱۱)

حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت کا ذکر ان الفاظ کے ساتھ ہوا ہے :

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ ۝	نوح کی قوم نے بھی رسولوں کی تکذیب
إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ	کی۔ جب کہ ان کے بھائی نوح نے ان
نُوحٌ أَلَا تَتَّقُونَ ۝ إِنِّي لَكُمْ	کو آگاہ کیا، کیا تم لوگ ڈرتے نہیں!
رَسُولٌ أَمِينٌ ۝ فَاتَّقُوا	میں تمہارے لیے ایک معتبر رسول ہوں
اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ۝	تو اللہ سے ڈرو اور میری بات مانو۔

(الشعراء - ۲۶ : ۱۰۵-۱۰۸)

بعینہٖ یہی بات ھود کی دعوت میں دو مرتبہ صالح کی دعوت میں دو مرتبہ، اور لوط و شعیب علیہم السلام کی

دعوت میں دو دو مرتبہ بیان ہوئی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تقویٰ تمام انبیائے کرام کی دعوت کا بالکل ابتدائی نقطہ ہے۔ ہر نبی جو آتا ہے وہ اپنی قوم کو جس بات کی سب سے پہلے دعوت دیتا ہے وہ یہی بات ہے کہ اے لوگو! تقویٰ اختیار کرو۔ پس تقویٰ کی تعلیم کا صحیح طریقہ معلوم کرنے کے لیے یہ دیکھنا چاہیے کہ حضرات انبیائے کرام لوگوں میں کس طرح تقویٰ پیدا کرتے ہیں۔

انبیا کا طریقۂ تعلیم تقویٰ:

ہم نے جہاں تک حضرات انبیاء کے طریقۂ تعلیم تقویٰ کو قرآن مجید سے سمجھا ہے وہ یہ ہے کہ یہ حضرات اپنے زمانہ کی فسق و فجور سے بھری ہوئی دنیا پر جب نظر ڈالتے ہیں اور انسان کی خدا سے بغاوت و سرکشی اور شہواتِ نفس کی پیروی میں آزادی و بے قیدی کے اسباب پر غور کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان پر یہ حقیقت ظاہر فرماتا ہے کہ انسان کی ان تمام سرکشیوں اور تعدیوں کی تہ میں تین چیزیں کام کر رہی ہیں: پہلی یہ کہ لوگوں میں خدا اور اس کی صفات کا تصور بالکل غلط ہو کے رہ گیا ہے۔ دوسری یہ کہ لوگوں میں اس زندگی کے بعد کسی اور زندگی کا یا تو سرے سے تصور ہی نہیں ہے اور اگر ہے تو ایسی خرابیاں پیدا ہو چکی ہیں کہ انسان کی عملی زندگی پر اس کی گرفت بالکل باقی نہیں رہی ہے۔ تیسری یہ کہ لوگوں میں اللہ تعالیٰ کے حدود و محارم کا علم ہی سرے سے مٹ گیا ہے۔ لوگ جانتے ہی نہیں کہ ان کے نفس کی خواہشوں اور دل کی چاہتوں پر کوئی روک بھی ہے۔ اس وجہ سے حضرات انبیائے کرام اپنی ساری قوت ان تینوں چیزوں کی اصلاح پر صرف کرتے ہیں اور جس رفتار سے وہ خدا اور اس کی صفات، آخرت اور اس کے نتائج، احکام الٰہی اور اس کے مصالح لوگوں پر واضح کرتے جاتے ہیں اسی رفتار سے لوگوں میں تقویٰ پیدا ہونے لگتا ہے۔ یہاں تک کہ جب یہ اپنے کام سے فارغ ہو کر دنیا سے رخصت ہوتے ہیں تو اپنے پیچھے متقیوں کا ایک ایسا گروہ چھوڑ جاتے ہیں جو مدتوں تک اس تقویٰ کی حرارت لوگوں میں باقی رکھتا ہے۔

یہاں ہم ان تینوں چیزوں کی کسی قدر تفصیل کردینا چاہتے ہیں تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ خدا، آخرت اور حدود الٰہی کے علم میں کس طرح کی غلطیاں ہیں جن کی حضرات انبیائے کرام کو اصلاح کرنی پڑتی ہے اور جن کی اصلاح کے بغیر تقویٰ کا پیدا ہونا ناممکن ہے۔

۱۔ خدا کے تصور کی تصحیح:

پہلی چیز یعنی خدا کے تصور کا جب یہ حضرات اپنے گردوپیش کی دنیا پر نظر ڈال کر جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یا تو لوگ سرے سے خدا کو مان ہی نہیں رہے ہیں یا مان رہے ہیں تو اس طرح مان رہے ہیں کہ اس طرح ماننے اور نہ ماننے میں نتیجے کے لحاظ سے کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ مثلاً جو لوگ خدا کو مانتے ہیں وہ صرف اس حد تک مانتے ہیں کہ وہ زمین و آسمان کا خالق ہے، یہ نہیں مانتے کہ وہی تنہا سب کا مالک اور حاکم بھی ہے۔ یا یہ تو مانتے ہیں کہ ہر چیز کو وجود اسی نے بخشا ہے، لیکن یہ نہیں مانتے کہ وہی سب کا محافظ و نگران بھی ہے۔ ان کے نزدیک اس بات میں کوئی قباحت نہیں ہے کہ آسمان کے عرشِ حکومت پر تو وہ خود متمکن ہو اور زمین کا انتظام اپنے دوسرے مقربین کے حوالہ کر کے اس سے بالکل غیر متعلق ہو جائے۔ اسی طرح وہ خدا کو بھی مانتے ہیں اور اس کے ساتھ اس کے دوسرے سیکڑوں شریکوں کو بھی مانتے ہیں جن کو اس کے دربار میں ایسی رسائی اور تقرب حاصل ہے کہ جس کو چاہیں معاف کرا دیں اور جس کو چاہیں سزا دلا دیں۔ اس کی عبادت کا حق ان کے نزدیک بجز اس بات سے ادا ہو جاتا ہے کہ مخصوص اوقات میں ان کی پوجا کر لی جائے یا اس کو خوش کرنے کے لیے اس کے حضور میں کوئی نذرانہ دی جائے یا کوئی قربانی پیش کر دی جائے۔ اس عبادت کے مقتضیات میں سے نہ تو یہ بات ہے کہ تنہا اسی کی اطاعت اور غلامی کی جائے اور نہ ان کے نزدیک خدا کی صفات کا یہ کوئی لازمی تقاضا ہے کہ وہ خلق کی ہدایت کے لیے کوئی قانون و کتاب اور کوئی نبی و رسول بھیجے اور انسانوں پر اس کی اطاعت واجب ہو۔

علیٰ ہٰذا القیاس وہ خدا کو خالق تو مان لیتے ہیں، لیکن یہ نہیں مانتے کہ وہ مارنے کے بعد دوبارہ پیدا بھی کر سکتا ہے، یا انسان کے تمام کھلے اور چھپے سے واقف بھی ہے، یا اس کے ہر کام میں حکمت ہے، یا وہ عادل اور قسط کو قائم کرنے والا ہے، یا وہ دوسروں کے خوف و لحاظ اور ان کی مدد و اعانت سے بالکل مستغنی ہے۔ ظاہر ہے کہ خدا کو نہ ماننے والے اور اس طرح ماننے والے نتیجہ کے لحاظ سے —— یعنی خدا سے بے خوفی میں —— دونوں برابر ہیں۔ پہلا گروہ اس وجہ سے بے پروا ہے کہ وہ خدا کو مان ہی نہیں رہا ہے اور دوسرا اس وجہ سے مستغنی ہے کہ اس نے خدا سے بچنے کے بے حد چور دروازے پیدا کر لیے ہیں۔ اس وجہ سے انبیائے کرام پہلے گروہ میں تو خدا کا اعتقاد پیدا کرتے ہیں اور دوسرے گروہ کے عقیدہ کی اصلاح کی کوشش کرتے ہیں۔ کیونکہ جب تک خدا پر سچا اور پکا ایمان نہ ہو اور وہ ایمان شرک کی تمام آلائشوں سے بالکل پاک نہ ہو اس وقت تک خدا سے تقویٰ ایک بالکل بے معنی لفظ ہے۔ جو شخص خدا کو تنہا مالک اور حاکم مان ہی نہیں رہا ہے، آخر وہ اس کی اطاعت و بندگی کیوں کرے؟ جو شخص اس کو علیم و خبیر یقین ہی نہیں کر رہا ہے وہ خلوت و جلوت میں اس سے اس طرح ڈرتا کیوں رہے کہ اس کے کسی حکم کی ادنیٰ خلاف ورزی بھی نہ ہونے پائے؟ اور بالفرض وہ پبلک میں کسی مصلحت سے کوئی کھلی ہوئی نافرمانی نہ کرے، لیکن آخر تنہائی میں اس کا خوف اپنے اوپر کیوں مسلط رہنے دے؟ جو شخص اس بات پر عقیدہ رکھتا ہی نہیں کہ خدا عادل اور قسط کو قائم کرنے والا ہے وہ ظلم و ناانصافی سے کیوں ڈرے؟ جو شخص اس بات کا قائل نہیں کہ خدا کو ہماری روزمرہ زندگی سے کوئی تعلق ہے اور اس نے ہماری اس زندگی کو حدود کے اندر پابند رکھنے کے لیے کچھ قوانین اتارے ہیں، آخر وہ خدا سے ہر قدم پر کانپتا کیوں رہے گا؟ جس شخص کا اس بات پر ایمان ہی نہیں کہ خدا ہی حاکم علی الاطلاق، بادشاہ اور قانون ساز ہے، آخر وہ اپنی یا دوسروں کی حکومت اور قانون سازی کو بغاوت کیوں سمجھے گا؟ اس وجہ سے تقویٰ پیدا کرنے کے لیے

سب سے مقدم چیز یہ ہے کہ خدا کی ذات، اس کی صفات اور اس کے حقوق کا صحیح علم پیدا کیا جائے۔ اس کے بغیر تقویٰ پیدا کرنے کی ساری تدبیریں بالکل اوپری ہوں گی۔ جن سے ممکن ہے خانقاہی قسم کا ایک بالکل غیر متوازن تقشف تو پیدا ہو جائے، لیکن وہ تقویٰ ہرگز پیدا نہیں ہو سکتا جو حدود الٰہی کی کامل حفاظت سے عبارت ہے اور جس کو پیدا کرنے کے لیے حضرات انبیائے کرام تشریف لائے تھے۔

۲۔ عقیدۂ آخرت کی تصحیح:

دوسری چیز یعنی عقیدۂ آخرت کا، جب انبیائے کرام جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ لوگ یا تو سرے سے موت کے بعد کسی زندگی اور روزِ حساب کے قائل ہی نہیں رہے ہیں اور اگر قائل ہیں تو صرف ایک مفروضہ کے درجہ میں قائل ہیں اور یہ مفروضہ بھی ان کے اندر خدا اور اس کے حدود کا احترام اور خوف پیدا کرنے میں بالکل بے اثر ہے۔ کیونکہ اگر ایک طرف وہ یہ مانتے ہیں کہ اس زندگی کے بعد کوئی اور زندگی ہے جس میں اپنے اعمال کی جواب دہی کرنی پڑے گی تو دوسری طرف شرکاء و شفعاء کی شفاعت کے بھی قائل ہیں جن کی نسبت ان کا اعتقاد ہے کہ وہ خدا کے ہاں اس قدر زور و اثر رکھتے ہیں کہ وہ اپنے پرستاروں کو بہرحال خدا سے بخشوا لیں گے۔ کچھ لوگ ایسے ہیں جو اپنے نسب ہی کو اپنی نجات کے لیے بالکل کافی سمجھتے ہیں ان کا خیال ہے کہ ان کے آباء و اجداد خدا کے محبوب تھے۔ اس وجہ سے وہ بھی اللہ کے محبوب اور چہیتے بن گئے ہیں، وہ اولاً تو خدا کی جہنم کے سزاوار نہیں اور اگر سزاوار ٹھہرے بھی تو زیادہ سے زیادہ چند دنوں کے لیے بعض دوسرے اس غلط فہمی میں پڑے ہوئے ہیں کہ انسان تو ازلی گنہگار ہے، اس کے پاک اور متقی ہونے کا کوئی امکان ہی باقی نہیں رہا ہے: اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انسان کے ساتھ عدل کا معاملہ نہیں کیا بلکہ رحم کا معاملہ کیا ہے اور اس کی نجات کے لیے اس نے محبوب بیٹے کو بھیجا جو سولی پر

چڑھ کر تمام انسانوں کے لیے کفارہ بن گیا؛ اب انسانوں کی نجات کے لیے کسی پرہیزگاری اور تقویٰ، کسی بندگی واطاعت کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف اس بات کی ضرورت ہے کہ لوگ خدا کے بیٹے پر ایمان لائیں۔ جو اس پر ایمان لائے گا وہ نجات پائے گا اگرچہ اس سے ایک نیکی بھی صادر نہ ہوئی ہو، اور جو شخص اس پر ایمان نہیں لائے گا وہ نجات سے محروم رہے گا اگرچہ اس سے ایک برائی بھی سرزد نہ ہوئی ہو۔ بعض دوسرے ایسے ہیں جو اگرچہ آخرت کے قائل ہیں، لیکن اس کو اس قدر دور سمجھتے ہیں کہ اس کے لیے کسی تقویٰ اور پرہیزگاری کا اہتمام بالکل فضول سمجھتے ہیں۔ بعض ایسے ہیں جو نجات اپنے گروہ کا حق سمجھتے ہیں۔ جو ان کے اندر شامل ہے اس کی نجات ہوگی، خواہ اس کے اعمال کچھ ہوں۔ جو ان سے باہر ہے وہ نجات سے محروم ہے اگرچہ وہ کتنا ہی نیک ہو۔ ظاہر ہے کہ جو شخص آخرت کا سرے سے قائل ہی نہیں ہے اور اپنے آپ کو بالکل غیر مسئول اور مطلق العنان سمجھ رہا ہے اس سے تقویٰ کا مطالبہ بالکل بے معنی ہے؛ اور اگر آخرت کا تو قائل ہے، لیکن غلط شفاعت کے چکر میں پڑا ہوا ہے یا نسب کے غرور اور گروہ کی عصبیت میں مبتلا ہے یا خدا کے رحم اور عدل کا تصور اس کے دماغ میں غلط ہو کے رہ گیا ہے تو اس کو بھی تقویٰ کی دعوت دینا بالکل بے معنی ہے۔ ان میں سے ہر واہمہ تقویٰ کی جڑ اکھاڑ دینے کے لیے کافی ہے۔ جو شخص ایک ایسی شفاعت کا یقین لیے بیٹھا ہوگا جو باطل کو حق اور حق کو باطل بنا دے گی اس کو خدا سے ڈرنے کی کیا ضرورت؟ جو شخص اس خبط میں مبتلا ہے کہ اسے جو کچھ حاصل ہے اس کے نسب اور اس کے استحقاقِ ذاتی کا کرشمہ ہے، دنیا میں بھی حاصل ہے اور آخرت میں بھی حاصل رہے گا، اسے خدا کی پرستش کی کیا پروا ہو سکتی ہے؛ اسی طرح اگر کسی کے دماغ میں خدا کے رحم کا ایک غلط تصور پیدا ہو گیا ہے اور وہ خدا کے عدل کو اس کے رحم ہی کا مظہر نہیں سمجھ رہا ہے تو وہ خدا سے ڈرے گا کیوں؟ ایسے لوگوں کے اندر تقویٰ پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ان کے اندر اول تو عقیدۂ

آخرت کو راسخ کیا جائے۔ ثانیاً ان تمام رخنوں کو بند کیا جائے جو اس عقیدے کے تمام اثر کو باطل کر دینے والے ہیں۔ چنانچہ حضرات انبیائے کرام ان لوگوں کو پہلے ایمان بالآخرت کی دعوت دیتے ہیں اور آخرت کے قطعی ہونے پر آفاق و انفس سے ایسے دلائل پیش کرتے ہیں جن کا انکار صرف ایک ہٹ دھرم ہی کر سکتا ہے اور ساتھ ہی ان تمام غلط توہمات کی ایک ایک کر کے بیخ کنی کرتے ہیں جو انسان میں غلط قسم کی بے پروائی اور جسارت پیدا کرتے ہیں۔ مثلاً شفاعت کے غلط تصور کی پوری وضاحت کے ساتھ تردید کرتے ہیں کہ خدا کے ہاں کوئی آدمی یا فرشتہ بغیر اس کی اجازت کے کسی کی شفاعت نہیں کر سکے گا اور جس کو شفاعت کی اجازت دی جائے گی وہ صرف سچی بات کہے گا۔ کوئی بات خلاف حقیقت نہ کہے گا اور کوئی شفاعت نہ حق کو باطل کرے گی نہ باطل کو حق۔ علیٰ ہذا القیاس نسب و حسب خدا کے ہاں کچھ کام نہ آئے گا۔ وہاں صرف عمل و اطاعت کی پوچھ ہوگی۔ جو لوگ عمل کے لحاظ سے بھرپور ہوں گے وہ خدا کے ہاں اسی لحاظ سے اونچے سے اونچا درجہ پائیں گے اگرچہ نسب و خاندان کے اعتبار سے وہ نیچے درجے میں گنے جاتے ہوں اور جو لوگ عمل سے خالی ہوں گے وہ خدا کے ہاں محروم و نامراد ہوں گے اگرچہ انہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر ہی کی اولاد میں سے ہونے کا شرف حاصل ہو۔ نیز وہ یہ حقیقت بھی اچھی طرح واضح کر دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی کا تقاضا ہے کہ وہ ایک انصاف کا دن لائے جس میں مظلوموں کی دادرسی کرے اور ظالموں کو ان کے کیے کا بدلہ دے۔ اس کی رحمت کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ ظالموں اور سرکشوں کو معاف کر دے۔ اگر وہ ایسا کرے تو نہ وہ عادل ہے نہ رحیم ہے۔

۳۔ شریعت کی تجدید:

ان دونوں کاموں سے فارغ ہونے کے بعد حضرات انبیائے کرام جب اللہ تعالیٰ کے حدود کا جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ حدود و قوانینِ شریعت کا بڑا حصہ بالکل مٹ

چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حرام کیا ہوا حلال ہے، اس کا حلال کیا ہوا حرام ہے۔ جو بات اس کی نظروں میں مبغوض تھی وہ محبوب بن گئی ہے، جو محبوب تھی مبغوض بن چکی ہے۔ زندگی کے ہر گوشہ میں معروف منکر بن چکا ہے اور منکر نے معروف کی جگہ لے رکھی ہے۔ معاشرہ میں، معیشت میں، عدل میں، سیاست میں، تہذیب میں، تعلیم میں، تربیت میں، عادات و اخلاق میں، اٹھنے بیٹھنے میں، چلنے پھرنے میں، ہر جگہ شیطان نے انڈے بچے دے دیے ہیں اور سارا نظامِ زندگی فاطر اور فطرت کے منشا کے بالکل خلاف ہو کے رہ گیا ہے۔ چنانچہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے زندگی کے ایک ایک گوشہ کی چھان بین کرتے ہیں اور ہر گوشہ کو غیر فطری اور غیر الٰہی عادات و رسوم سے بالکل پاک کر کے اس کو فطرت اور شریعت کے بالکل مطابق کرتے ہیں۔

حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے یہاں تقویٰ پیدا کرنے کا طریقہ یہی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی زندگی پر ایک سرسری نظر ڈال کر ہر آدمی اس بات کی تصدیق کر سکتا ہے۔ مکہ کی زندگی میں آپؐ نے جس طرح لوگوں کو تقویٰ کی تعلیم دی ہے مکی سورتوں میں اس کی پوری تفصیل موجود ہے۔ ہر شخص ان سورتوں کو سرسری طور پر پڑھ کر معلوم کر سکتا ہے کہ یہ سرتاسر خدا، اس کی توحید، اس کی صفاتِ حسنیٰ اور آخرت کے دلائل و احوال سے لبریز ہیں اور اتنی قوت و شدت اور اتنی گوناں گوں شکلوں میں ان سورتوں کے اندر یہ مطالب بیان ہوئے ہیں کہ جن لوگوں کو اول اول یہ سورتیں سنائی گئیں ان کے لیے اس دعوت سے بے پروا رہنا اور اپنی طفل تسلیوں کے فریب میں بدستور غافل پڑے رہنا ناممکن ہو گیا۔ ان کے لیے صرف دو ہی صورتیں ممکن رہ گئی تھیں، یا تو داعی کی دعوت پر لبیک کہیں اور غفلت کے بستروں کو چھوڑ کر خدا کی طرف بھاگیں یا پھر پوری قوت سے اس پُراثر دعوت کو دبانے کی کوشش کریں جس نے ان کے لیے چین کی نیند حرام کر دی ہے۔ چنانچہ ان سورتوں کے نزول کے بعد پورے عرب میں ایک شخص بھی اسلامی دعوت کے بارہ میں غیر جانبدار نہیں رہ گیا تھا۔ یا تو اس کا جان و دل سے مخالف بن کر اٹھ کھڑا ہوا تھا اور اس کو مٹائے بغیر گویا اس کے لیے

خواب وخور حرام تھا یا اتنا شدید حامی بن گیا تھا کہ سب کچھ گوارا تھا، لیکن اگر نہیں گوارا تھی تو یہ بات کہ کوئی قدم بھی تقویٰ کے خلاف اٹھے۔ تقویٰ کا اس درجہ شدید احساس کہ خدا کے حکم کی تعمیل کی راہ میں ہر چیز آسان ہو جائے، صرف اس چیز کا نتیجہ تھا کہ خدا اور آخرت کے بارے میں ان کا علم صاف ہو گیا تھا۔ اتنا صاف کہ اس کے بعد ان کے لیے خدا کی طرف بھاگ کھڑے ہونے کے سوا کوئی صورت ہی باقی نہیں رہ گئی تھی۔ وہ جس جنت الحمقاء میں اب تک پڑے سو رہے تھے انہیں دفعتہً نظر آیا کہ اس کے گوشہ گوشہ میں آگ لگ چکی ہے اور اب اگر جان بچانے کی کوئی شکل ہے تو صرف یہی کہ جس دعوت پر پیغمبر کھڑا بلا رہا ہے اس کا رخ کیا جائے۔ جو لوگ بظاہر دعوت کی مخالفت پر کمربستہ تھے ان کی مخالفت بھی ان گھبرائے ہوئے اور بدحواس لوگوں کی دوڑ دھوپ کے مانند تھی جو آگ کے خطرہ سے بچنا چاہتے ہوں، لیکن نجات کے جس راستہ کی طرف نبی دعوت دے رہا ہو اس کی طرف جانے سے اس وجہ سے گھبراتے ہوں کہ اس راہ پر چل کر اپنی انانیت اور اپنی باطل خواہشوں کو باقی رکھنا ناممکن تھا اور اس قربانی کے لیے وہ تیار نہیں تھے۔

مذکورہ دعاوی پر قرآن سے دلائل:

اس ساری تفصیل سے دو باتیں واضح ہوئیں۔ پہلی یہ کہ اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت اور آخرت کا صحیح علم ہی آدمی کے اندر وہ بے چینی پیدا کرتا ہے جس سے وہ خدا کی طرف بھاگتا ہے جو تقویٰ کی اصل حقیقت ہے۔ اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کی صفات اور آخرت کا صحیح علم ہی وہ پاسبان ہے جو آدمی کے دل کے اندر بیٹھ کر اس کو اس بات پر مجبور کرتا ہے کہ وہ خدا کے احکام وقوانین کی پوری پابندی کرے اور کسی جگہ بھی سر مو اس کے حدود سے تجاوز نہ کرے۔ اگرچہ یہ باتیں بالکل واضح ہیں، لیکن قرآن مجید سے یہاں ہم بعض آیتیں نقل کیے دیتے ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ تقویٰ کے پیدا ہونے اور

باقی رہنے کا انحصار سرتا سر اللہ تعالیٰ کی صفات اور آخرت کے صحیح علم و یقین پر ہے۔

پہلے ہم بعض وہ آیتیں نقل کرتے ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ تقویٰ کا پیدا ہونا اللہ تعالیٰ کی صحیح صفات کے علم پر منحصر ہے۔ سورۂ بقرہ میں طلاق کے احکام و قوانین کے بیان کے بعد فرمایا ہے:

وَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ	اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ
اللّٰہَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝	اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

(البقرۃ ۲: ۲۳۱)

اس آیت میں تقویٰ کا حکم دینے کے بعد اللہ تعالیٰ کی صفتِ علم کی یاددہانی کی گئی ہے۔ کیونکہ خدا کے حدود کی پوری حفاظت وہی کر سکتا ہے جو یہ مانتا ہو کہ اللہ تعالیٰ ہر بات سے باخبر ہے۔ یہ چیز دو مختلف پہلوؤں سے آدمی کے اندر تقویٰ پیدا کرتی ہے۔ جہاں کہیں انسان کا نفس کسی خیانت یا جسارت پر اکساتا ہے وہاں اللہ تعالیٰ کی صفتِ علم کا تذکر آدمی میں خدا کا خوف پیدا کرتا ہے اور جہاں کہیں آدمی اللہ تعالیٰ کے حدود کی پابندی کے لیے بازیاں کھیلتا ہے، مصائب جھیلتا ہے، نقصانات گوارا کرتا ہے وہاں یہ یقین کہ اللہ تعالیٰ اس کی ان ساری جانبازیوں کو دیکھ رہا ہے اس میں اعتماد و قوت پیدا کرتا ہے۔

پھر احکامِ رضاعت کے ذکر کے بعد فرمایا:

وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا	اور اگر تم اپنے بچوں کو کسی اور سے
اَوْلَادَکُمْ فَلَا جُنَاحَ	دودھ پلوانا چاہو تو اس میں کوئی حرج
عَلَیْکُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ	نہیں، جب کہ تم ان کو دستور کے مطابق
اٰتَیْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ۝	وہ ادا کر دو جو تم نے دینے کا وعدہ کیا ہے
وَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ	اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو
اللّٰہَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ۝	کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کو دیکھ

(البقرة - ۲ : ۲۳۳)	رہا ہے ۔

اس آیت میں تقویٰ پیدا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے بصیر ہونے کی یاد دہانی کی گئی ہے۔ اس صفت کا علم بھی آدمی میں ان ہی دو پہلوؤں سے تقویٰ پیدا کرتا ہے جن کا ذکر اوپر ہوا۔

وَلْيُمْلِلِ الَّذِي عَلَيْهِ	اور یہ دستاویز لکھوائے وہ جس پر حق
الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهُ ۔	عائد ہوتا ہے اور وہ اللہ سے جو اس کا
(البقرة - ۲ : ۲۸۲)	رب ہے، ڈرے۔

اس آیت میں تقویٰ پیدا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی صفتِ ربوبیت یعنی اس کے مالک و حاکم ہونے کو یاد دلایا گیا ہے۔

فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ	تو جس کے پاس امانت رکھی گئی ہے وہ اُس
أَمَانَتَهُ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهُ ط	کی امانت ادا کرے اور اللہ سے، جو اس
(البقرة - ۲ : ۲۸۳)	کا رب ہے، ڈرے۔
بَلٰى مَنْ أَوْفٰى بِعَهْدِهٖ	ہاں جو لوگ اس کے عہد کو پورا کریں گے
وَاتَّقٰى فَإِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ	اور اللہ سے ڈریں گے تو بے شک اللہ ایسے
الْمُتَّقِيْنَ ۝	سے ڈرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔
(البقرة - ۳ : ۷۶)	

اس آیت میں اہلِ تقویٰ کی حوصلہ افزائی کے لیے اللہ تعالیٰ کی اس صفت کو یاد دلایا گیا ہے کہ وہ متقین سے محبت کرتا ہے۔

يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ	یہ اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں،
وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ	معروف کا حکم دیتے ہیں، منکر سے روکتے
يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ	ہیں اور بھلائی کے کاموں میں سبقت

فِي الْخَيْرَاتِ ۚ وَأُولَٰئِكَ	کرتے ہیں اور یہ لوگ نیکوکاروں میں سے
مِنَ الصَّالِحِينَ ۝ وَمَا	ہیں۔ جو نیکی بھی یہ کریں گے تو اس
يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَن	سے محروم نہیں کیے جائیں گے
يُكْفَرُوهُ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ	اور اللہ خدا ترسوں سے باخبر ہے۔
بِالْمُتَّقِينَ ۝	

(آل عمران ۳: ۱۱۴-۱۱۵)

یہاں تقویٰ کے اصل کام بھی بتا دیے ہیں اور ان کاموں میں جو جوکھم ہے اس کو برداشت کرنے کے لیے جس اعتماد اور قوت کی ضرورت ہے وہ بھی دو لفظوں میں بخش دی ہے کہ اللہ تعالیٰ متقین سے باخبر ہے، یعنی جو لوگ تقویٰ کی خاطر قربانیاں کریں گے اللہ تعالیٰ ان سے اچھی طرح باخبر ہے، ان کی محنتوں کا پورا صلہ دے گا۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ	اے لوگو! اپنے اس رب سے ڈرو جس
الَّذِي خَلَقَكُم مِّن	نے تم کو ایک ہی جان سے پیدا کیا
نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ	اور اسی کی جنس سے اس کا جوڑا پیدا کیا
مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا	اور ان دونوں سے بہت سارے مرد
رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ۚ وَاتَّقُوا	اور عورتیں پھیلا دیں اور ڈرو اس اللہ سے
اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ	جس کے واسطے سے تم باہم دگر طالب
وَالْأَرْحَامَ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ	ہوتے ہو اور ڈرو قطع رحم سے۔ بے شک
عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ۝	اللہ تمہاری نگرانی کر رہا ہے۔

(النسآء ۴: ۱)

یہاں تقویٰ پیدا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی صفتِ رقیب کو یاد دلایا ہے یعنی وہ ہر شخص کی اور اس کے ہر قول و فعل کی نہایت کڑی نگرانی کر رہا ہے۔

وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝
(النسآء - ۴ : ۱۲۸)

اور اگر تم حسن سلوک کرو گے اور تقویٰ اختیار کرو گے تو جو کچھ کرو گے اللہ اس سے باخبر ہے۔

وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ
(النسآء - ۴ : ۱۳۱)

اور تم سے پہلے جن کو کتاب دی گئی ہم نے انہیں بھی ہدایت کی اور تم کو بھی کہ اللہ سے ڈرتے رہو اور اگر تم کفر کرو گے تو یاد رکھو کہ اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔

اس آیت میں تقویٰ پیدا کرنے کے لیے اس بات کی یاد دہانی کی گئی ہے کہ آسمان و زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۭ
(الطلاق - ۶۵ : ۲-۳)

اور جو اللہ سے ڈریں گے تو اللہ ان کے لیے راہ نکالے گا اور ان کو وہاں سے رزق دے گا جہاں سے ان کو گمان بھی نہ ہوگا۔

تقویٰ پر قائم رہنے کے لیے، بالخصوص ایسے مواقع میں جہاں آدمی کو مالی و معاشی مشکلات کا سامنا ہو، اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی اس صفت کو یاد دلایا گیا ہے کہ وہ وہاں سے روزی کا سامان کرتا ہے جہاں سے آدمی کو گمان بھی نہیں ہوتا۔

اب ان آیات پر غور فرمائیے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ تقویٰ پیدا کرنے اور تقویٰ پر قائم رکھنے کے لیے آخرت کا صحیح علم و یقین اور اس کا تذکر ضروری ہے:

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ

اور اللہ سے ڈرتے رہو، اور جان رکھو کہ

مُّلٰقُوْهُ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝
(البقرة - ۲ : ۲۲۳)

تمہیں اس سے لازماً ملنا ہے اور ایمان والوں کو خوشخبری دے دو۔

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝
(البقرة - ۲ : ۲۰۳)

اور گنتی کے چند دنوں میں اللہ کو یاد کرو۔ سو جو دو ہی دنوں میں اٹھ کھڑا ہو اس پر کوئی گناہ نہیں اور جو ٹھہرا رہے اس پر بھی کوئی گناہ نہیں۔ یہ رعایت ان کے لیے ہے جو تقویٰ کو ملحوظ رکھیں۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو اور خوب جان رکھو کہ تم اسی کے حضور میں اکٹھے کیے جاؤ گے۔

وَتَعَاوَنُوْا عَلَي الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۠ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَي الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝
(المآئدة - ۵ : ۲)

تم نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو، گناہ اور تعدی میں تعاون نہ کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ اللہ سخت پاداش والا ہے۔

فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝
(المآئدة - ۵ : ۴)

تو تم ان کے اس شکار میں سے کھاؤ جو وہ تمہارے لیے روک رکھیں اور ان پر اللہ کا نام لے لیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو، اللہ بہت جلد حساب چکانے والا ہے۔

ان تمام آیات میں تقویٰ کا مطالبہ کیا ہے اور ساتھ ہی یاد دہانی کی ہے کہ خدا سے ملنا ہے، اس کے پاس اکٹھے ہونا ہے، وہ سخت پاداش والا ہے، جلد حساب چکانے والا ہے: کیونکہ انہی صفات کے یقین اور ان کی یادداشت سے تقویٰ پیدا ہوتا ہے۔

خلاصہ مباحث :

اس ساری تفصیل سے یہ بات واضح کرنی مقصود ہے کہ حضرات انبیائے کرام، جن کا اصل کام ہی لوگوں میں تقویٰ پیدا کرنا تھا، انہوں نے اپنے اپنے زمانوں میں لوگوں کو جس تقویٰ کی دعوت دی ہے وہ تقویٰ یہی تھا کہ لوگ اللہ کے حدود و احکام کے پابند ہو جائیں اس کی نافرمانی و بغاوت سے توبہ کریں، نہ اپنی خواہشوں کی پیروی کریں، نہ ان لوگوں کے پیچھے چلیں جو اپنی خواہشوں کے پیچھے چلتے ہیں، زندگی کے تمام گوشوں میں اس قانون کی پیروی کریں جو اللہ نے اتارا ہے اور اس بات سے ڈرتے رہیں کہ اس زندگی کے بعد ایک اور زندگی بھی ہے جس میں ہر شخص کو خدا کے سامنے اپنے اعمال کی جواب دہی کرنی پڑے گی اور ہر شخص کی نیکی یا بدی اس کے سامنے آئے گی۔

اس تقویٰ کو پیدا کرنے کے لیے انہوں نے لوگوں میں اللہ اور روز آخرت کا سچا یقین پیدا کیا، خدا اور اس کے اسماء و صفات کی تعلیم دی، جو منکر تھے ان کے انکار کو توڑا، جو متردد تھے ان کے تردد کو دور کیا، جو مشرک تھے ان کے شرک کا ابطال کیا، یہاں تک کہ جو خدا عرش آسمان پر براجمان تھا، نہ زمین کے معاملات کی ـــــــ العیاذ باللہ ـــــــ اسے کوئی خبر تھی، نہ ان سے اس کو کوئی دلچسپی تھی، وہ ایک علیم و خبیر، سمیع و بصیر، حفیظ و رقیب اور عزیز و حکیم خدا بن کر آسمان و زمین کے سارے معاملات کی نگرانی کرنے لگا۔ جس خدا کی نسبت لوگ صرف یہ سمجھتے تھے کہ اس نے پیدا کیا اور پیدا کر کے اس دنیا کے نیک و بد سے بے تعلق ہو گیا ہے اس کو اس حیثیت سے ماننے لگے کہ وہی تنہا اس کائنات پر مہر

آن متصرف ہے۔ اس نے جس طرح لوگوں کو پیدا کیا اور ان کی زندگی کے وسائل مہیا کیے ہیں، اسی طرح ان کی ہدایت کے لیے انبیا بھی بھیجے ہیں اور ان کی رہنمائی کے لیے قانون بھی نازل کیا ہے اور جس طرح وہ سب کا معبود ہے اسی طرح وہ سب کا رب، مالک اور بادشاہ بھی ہے اور جس طرح اس نے یہ زندگی بخشی ہے اسی طرح مرنے کے بعد دوبارہ زندہ بھی کرے گا، اور اس زندگی کا حساب بھی لے گا اور وہ دن ایسا ہوگا کہ خدا کے عدل سے کوئی چیز نہ بچا سکے گی، نہ کسی کی دوستی، نہ کسی کی سفارش، نہ کسی کا فدیہ اور نہ کسی کا معاوضہ۔ وہ تنہا مالک ہوگا اور سب مملوک و محکوم ہوں گے، وہ تنہا بادشاہ ہوگا اور سب تابعدار اور رعیت ہوں گے۔

ان باتوں کو دلوں میں راسخ کرنے کے لیے انھوں نے جو طریقہ اختیار کیا وہ ایک طرف تو کمال درجہ علمی واستدلالی تھا، یعنی ہر دعوے کا ثبوت، ہر شبہ کا جواب، ہر اعتراض کی تردید، عقل کی رو سے، تاریخ کے پہلو سے، آفاق کی جہت سے، انفس کی طرف سے اور دوسری طرف کمال درجہ عملی تھا، یعنی توحید، معاد اور رسالت کے جو حقائق سامنے آئے اور ان کو جن لوگوں نے قبول کر لیا ان کی ساری زندگیاں انھی اصولوں پر ڈھل گئیں، اس کے بعد ان کی زندگی کا کوئی قول و فعل ان اصولوں سے متناقض نہیں رہ گیا۔ وہ اپنی زندگی کے بڑے بڑے مسائل سے لے کر حقیر سے حقیر جزئیات تک میں مومن بااللہ، مومن بالرسول تھے۔ اگر کوئی چھوٹی سے چھوٹی بات بھی ان کی زندگی کے اندر ان حقائق سے متناقض ہوتی تو وہ کانٹے کی طرح ان کے دلوں میں کھٹکتی اور جب تک وہ نکل نہ جاتی اس وقت تک وہ چین نہ لیتے اور معمولی سے معمولی بات بھی اگر ان کے سامنے پیش کی جاتی، جو ان اصولوں کے مطابق ہوتی، تو وہ اس کو اس طرح لپک کے قبول کرتے گویا وہ اسی متاع گم شدہ کی تلاش میں مدتوں سرگرداں تھے۔

موجودہ حالات کا جائزہ:

ہمارے سامنے بھی ایک دنیا ہے جو فسق و فجور سے بھری ہوئی ہے، جس کے سارے افکار و نظریات یکسر باطل اور اعمال و افعال یکسر فسق پرستانہ ہیں۔ خدا پر ایمان یا تو سرے سے موجود ہی نہیں ہے یا موجود ہے تو اس میں صدرا رکھتے ہیں۔ آخرت کو لوگ یا تو سرے سے مان ہی نہیں رہے ہیں یا مان رہے ہیں تو اس طرح کہ اس کا ماننا نہ ماننا، دونوں برابر ہے۔ اللہ، رسول اور آخرت کا اقرار نہیں بلکہ انکار دین بن چکا ہے اور یہ دینِ انکار و الحاد اپنی پشت پر نہایت زبردست فلسفے رکھتا ہے۔ اس کی ترویج و اشاعت کے لیے بڑے بڑے کالج اور بڑی بڑی یونیورسٹیاں قائم ہیں۔ نہایت وسیع الاثر پریس ہے۔ اور پھر سب سے بڑھ کر نہایت ہی طاقت ور سیاسی اقتدار ہے جو تمام امور ہی کا مالک، تمام وسائل و ذرائع پر متصرف، تمام نفع و ضرر کا خداوند بنا ہوا ہے۔ اس دنیا کے اندر کچھ تھوڑے سے مسلمان بھی جی رہے ہیں جو اس میں شبہ نہیں کہ اللہ کا نام بھی لیتے ہیں، رسول کا دم بھی بھرتے ہیں اور آخرت کا ذکر بھی کرتے ہیں، لیکن اس اعتبار سے دونوں برابر ہیں کہ عملی زندگی سے خدا اور رسول کو دونوں نے الگ کر رکھا ہے۔ مسلمان نام تو خدا اور رسول کا ضرور لیتا ہے، لیکن کام انھی کے کرتا ہے جو اللہ اور رسول کے باغی ہیں، علم انھی کے پڑھتا ہے، فلسفہ انھیں کا سیکھتا ہے، تہذیب میں، آداب میں، معاشرت میں تقلید انھی کی کرتا ہے، اپنا مال، اپنا وقت، اپنی قابلیت سب کچھ انھی پر نثار کرتا ہے اور جبراً نہیں بلکہ طوعاً کرتا ہے۔ صرف کرتا ہی نہیں ہے، بلکہ اس پر فخر بھی کرتا ہے اور تنہا خود ہی اس فخر کو سمیٹے نہیں رکھنا چاہتا، بلکہ یہ بھی چاہتا ہے کہ اس کی آئندہ نسلیں بھی اس فخر میں سے حصہ پائیں۔ یہ خدا کو ماننے کا حق صرف اس طرح ادا کر دیتا ہے کہ مسجد میں اس کی نماز پڑھ دیتا ہے، اس کے نام پر کچھ زکوٰۃ دے دیتا ہے، مہینہ بھر کے روزے رکھ دیتا ہے، باقی اس کے سوا سارے معاملاتِ زندگی میں وہ جس خدا کی بھی اطاعت کرے اس سے اس کے آسمانی خدا کو کوئی واسطہ نہیں۔ رسول کے

ماننے کا حق یہ صرف اس طرح ادا کرتا ہے کہ نمازوں میں ان کی ذات پر درود بھیج دیتا ہے، سال میں عید میلاد کے ایک آدھ جلسے کر دیتا ہے، اگر ان کی شان میں کوئی ادنیٰ گستاخی کسی سے صادر ہو جائے تو اخباروں میں اور جلسوں میں ہنگامے برپا کر دیتا ہے باقی رہی یہ بات کہ زندگی کے تمام شعبوں میں وہی واجب الاطاعت اور انہی کا بتایا ہوا طریقہ واجب الاتباع ہے اور ان کے طریقے کے سوا سارے طریقے گمراہی، فسق اور کفر ہیں، یہ اس کے ایمان بالرسول میں داخل نہیں ہے۔ یہ آخرت کو مانتا ہے، لیکن اس اطمینانِ قلب کے ساتھ مانتا ہے کہ "لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً" (البقرۃ - ۲ : ۸۰) (ان کو دوزخ کی آگ نہیں چھوئے گی سوائے گنتی کے چند دن) یہ جتنی نافرمانیاں چاہے کرے اور کتنی ہی ٹھنڈے دل سے چاہے کرے، یہاں تک کہ اگر ان نافرمانیوں ہی کو وہ اپنا اور اپنی آل اولاد کا دین بنالے اور اسی دین پر وہ اور اس کی نسلیں جئیں اور مریں جب بھی وہ نجات کا حق دار ہے۔ یہ نجات اس کا پیدائشی اور قومی حق ہے۔ یہاں تک کہ گئے مسلمان ہیں جو شاید اسلام کا نام بھی نہیں جانتے اور دین کے واجبات و فرائض میں سے شاید ایک فرض کو بھی کبھی ادا کرنے کی انہیں توفیق نہیں ہوئی ہوگی تاہم وہ مسلمان ہیں۔ ایک ایسی دنیا میں اگر آپ تقویٰ پیدا کرنا چاہیں تو اس کا صحیح طریقہ کیا ہے؟ اس سوال کے تفصیلی جواب کا یہاں موقع نہیں ہے۔ اس سوال کے جواب کے لیے آپ ہماری کتاب "تزکیۂ نفس" کا مطالعہ فرمائیں۔